اسلام اور ضبط ولادت

تالیف

سید ابو الاعلیٰ مودودی



ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ ترجمان القرآن ادارہ دار الاسلام پٹھانکوٹ

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش

حصہ اول

اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ موجودہ حالات اور مستقبل کے امکانات پر ایک سبق آموز تبصرہ جس سے مسلمانانِ ہند کے قومی مسئلہ کا ایک نیا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے۔

حصہ دوم

اس حصہ میں ہندوستان کے موجودہ سیاسی حالات پر مفصل تبصرہ کرکے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی غفلت سے اس وقت تک ملک کے سیاسی تغیرات کس طرح اصول اسلام اور مسلمانوں کے ترقی مفاد کے خلاف ہوتے رہے ہیں اور یہ کہ اگر اب مسلمان اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہئے۔ اس کی قیمت بھی اشاعت عام کے لئے بہت کم رکھی گئی ہے۔

حصہ سوم

مسلمانوں کی موجودہ سیاسی کشمکش کا عملی حل کیا ہے۔ اسلامی حکومت کن اصولوں پر قائم کی جا سکتی ہے۔ ایسا اقدام کرنے والے گروہ کو کن اصولوں پر منظم کیا جا سکتا ہے، اور ان اصولوں پر کس قدر اعتراضات و شبہات کئے جا سکتے ہیں، ان کا جواب کیا ہے۔ یہ تمام باتیں اس حصہ میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔

قیمت حصہ اول ۔۔ ۱ | حصہ دوم ۔۔۔۔ | حصہ سوم مجلد ۔۔ ۸ ۔ ۱ | علاوہ محصول ڈاک

دفتر رسالہ ترجمان القرآن دارالاسلام پٹھانکوٹ (پنجاب)

اِسلام اور ضبطِ ولادت

جس میں تحریک ضبطِ ولادت کی پوری تاریخ بیان کیگئی ہے،
اور اُس کے مضر اثرات کو کھول کر بیان کرنے کے علاوہ
اسلامی نقطۂ نگاہ کو یوضاحت پیش کیا گیا ہے

تالیف

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

ملنے کا پتہ

دفتر "ترجمان القرآن"۔ ادارہ دار الاسلام پٹھانکوٹ

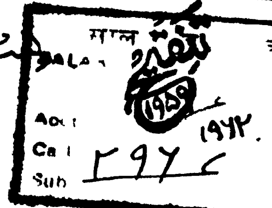
قیمت مجلد ۱۲/

محصول ڈاک ۳/

سید ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر و پبلشر نے .... مطبع مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن
میں طبع کرواکر دفتر رسالہ "ترجمان القرآن" دارالاسلام پٹھانکوٹ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



دیباچہ

یہ مضمون ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سے کبھی اس پر نظرِ ثانی کرنے کا موقع نہ ملا۔ اگرچہ بعد میں اس موضوع سے متعلق بہت سی معلومات فراہم کرنے کا اتفاق ہوا مگر اتنی فرصت نہ مل سکی کہ ان کو جمع اور مرتب کر کے اس رسالہ میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اسی انتظار میں یہ رسالہ کئی سال تک پڑا رہا۔ آخر کار اب یہ اسی طرح کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔

جس اخلاقی خطرے کو محسوس کر کے اب سے سات آٹھ برس پہلے میں نے یہ مضمون لکھا تھا وہ کم نہیں ہو رہا بلکہ روز بروز بڑھ رہا ہے اور غالباً موجودہ جنگ کے بعد اس میں اور زیادہ اضافہ ہوگا، اس لیے مغرب سے آئی ہوئی ہر وبا کا استقبال کرنے والوں کو سیدھی راہ دکھانے کی ضرورت اب پہلے سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اس جنگ میں ایک عظیم الشان قوم (یعنی فرانس) اُن غلط اخلاقی و تمدنی نظریات کا نہایت عبرتناک انجام دیکھ چکی ہے جو اٹھارویں اور انیسویں صدی کی احمقانہ حریتِ فکر کے زیرِ اثر اختیار کیے گئے تھے۔ جو طاقت مدتہائے دراز تک دنیا کی اول درجہ کی طاقتوں میں شمار ہوتی رہی ہے، اب وہ ایک دوسرے بلکہ تیسرے درجہ کی طاقت بنتی نظر آتی ہے۔ اسی کی وہ سلطنت، جو چار براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی، ہماری آنکھوں کے سامنے پارہ پارہ ہو رہی ہے۔ اس کے مدبرِ اعظم، مارشل پیتاں نے خود جون ۱۹۴۰ء کی شکست کے بعد علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ ہماری یہ ذلت ہماری اپنی نفس پرستیوں کا نتیجہ ہے اور دنیا کے اہلِ بصیرت نے بالاتفاق اس کی شکست کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اس کی شرحِ پیدائش کے مسلسل انحطاط کو قرار دیا ہے۔ اس کے بعد دنیا کی دوسری عظیم ترقوم (یعنی برطانیہ) کو بھی اب یہی خطرہ درپیش ہے، چنانچہ حال ہی

میں مسٹر چرچل کے صاحبزادے مسٹر رینڈولف چرچل نے تقریر کرتے ہوئے کہا :۔

"میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم بالعموم اس خطرے سے آگاہ ہو چکی ہے کہ اگر ہماری شرح پیدائش اسی طرح گرتی رہی تو ایک صدی کے اندر اندر جزائر برطانیہ کی آبادی صرف ۴۰ لاکھ رہ جائے گی اور اتنی کم آبادی کے بل بوتے پر برطانیہ دنیا میں ایک بڑی طاقت نہ رہ سکے گی"۔

پھر اس شرح پیدائش کی کمی کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں :

"برطانوی لوگوں میں اپنے معاشرتی مرتبہ کا خیال بہت زیادہ ہے اور وہ نہایت مبالغہ کے ساتھ اپنے اس مرتبہ کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں قصداً افرادِ خاندان کی تعداد کم تر رکھنے کی سعی کی جاتی ہے، کیونکہ بچے ایک دو سے زیادہ ہو جانے کی صورت میں انھیں خوف ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اُس شان کے مدرسے نہ بھیج سکیں گے جس کے ساتھ اُن کے ہمسایوں کے بچے جاتے ہیں اور اس سے معاشرت میں ان کی حیثیت گر جائے گی"۔

یورپ کے جن دوسرے ممالک کو پچھلے دنوں جنگ کے عفریت نے پامال کیا ہے اُن میں سے اکثر انہی غلط تمدنی نظریات کی بھینٹ چڑھے ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی حماقت سے زندگی کے وہ طریقے اختیار کیے جنھوں نے اُن کی قومی طاقت کو گھن لگا دیا۔ لیکن جو لوگ دنیا میں اندھوں کی طرح چلنے کے خوگر ہیں وہ ان واقعات سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے اور ظاہر فریب سائنٹیفک زبان میں جو نظریات کاغذ پر لکھے گئے ہیں انہی کی پیروی کیے چلے جاتے ہیں حالانکہ تجربہ کی کسوٹی جس نے آج تک کسی ملمع ساز کے ساتھ رعایت نہیں کی ہے، اس چمک دار کھوٹ کا راز کبھی کی فاش کر چکی ہے۔

میرے اس مختصر رسالہ کا موضوع اگرچہ ضبطِ ولادت اور اس کی فکری و عملی بنیادوں کا ابطال ہے، لیکن ضمناً اس میں تمدن و فلسفہ تمدن کے وسیع تر مسائل پر بھی اشارات آ گئے ہیں جن سے اہلِ نظر کو مسائلِ زندگی پر غور کرنے کے لیے مغرب کی پامال راہوں سے الگ ایک دوسری راہ مل سکتی ہے۔ میری کتاب "پردہ" اور "حقوق الزوجین" کے ساتھ مل کر یہ رسالہ اسلام کے نظامِ معاشرت اور اس کی نظری اساس کو سمجھنے میں غالباً اچھا مددگار ثابت ہوگا۔

ابوالاعلیٰ

۲ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ (۹۔ مارچ ۱۹۴۳ء)

مقدّمہ

چندسال سے ہندوستان میں ضبط ولادت (Birth Contorol) کی تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ اس کی تائید میں نشر واشاعت کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف رغبت دلانے اور اس کے عملی طریقوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور رسالے شائع کیے جا رہے ہیں۔ لکھنؤ میں عورتوں کی آل انڈیا کانفرنس نے اس کی حمایت میں قرار داد منظور کی۔ کراچی اور بمبئی کی مجالس بلدیہ میں اس کی عملی تعلیم رائج کرنے پر بحث کی گئی۔ میسور، مدراس، اور بعض دوسرے مقامات پر خاص اسی غرض کے لئے (Clinics) قائم کئے جا چکے ہیں۔ لندن کے برتھ کنٹرول انٹر نیشنل انفارمیشن سنٹر کی ڈائرکٹر مسز ایڈتھ ہومارٹن (Mrs. Edith How martyn) ہندوستان میں اس تحریک کی نشر و اشاعت کے لئے دورہ کر چکی ہیں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے کمشنر ڈاکٹر ہٹن (Dr. Hutton) نے اپنی رپورٹ میں ہندوستان کی بڑھتی آبادی کو خطرناک ظاہر کر کے ضبط ولادت کی ترویج پر زور دیا ہے۔ ان سب کے بعد حال میں کونسل آف اسٹیٹ کے ایک مسلمان ممبر نے حکومت کو توجہ دلائی ہے کہ وہ ہندوستان میں آبادی کی افزائش کو روکنے کے لئے عملی تدابیر اختیار کرے۔

اگرچہ حکومت ہند نے اِس وقت اِس تجویز کو رد کردیا ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اگر اسی رفتار کے ساتھ ضبط ولادت کی تائید میں رائے عام کی قوت بڑھتی رہی تو ایک دن شاردا ایکٹ کی طرح یہ مصیبت بھی ہندوستان پر مسلط ہو جائے گی اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی جائے، خصوصًا اس وجہ سے کہ حکومت کے سامنے اس تجویز کو پیش کرنے والے ایک مسلمان صاحب ہیں جنہیں قوم نے منتخب کر کے اپنی نمایندگی کے لیے کونسل آف اسٹیٹ میں بھیجا ہے اور اِن صاحب نے اپنی تقریر میں حکومت کو یقین دلایا ہے کہ "کوئی مذہب ضبط ولادت کی راہ میں مانع نہیں ہے" اس کے بعد اگر اسلامی قوانین کا علم رکھنے والے خاموش رہیں تو عام طور پر یہ گمان کر لیا جائے گا کہ اسلام ضبطِ ولادت کی تحریک کا حامی ہے، یا کم از کم اس کو جائز رکھتا ہے۔

قبل اس کے کہ اس مسئلہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی جائے، یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ضبط ولادت کی تحریک کیا ہے؟ کس طرح شروع ہوئی؟ کن اسباب سے اِس نے ترقی کی؟ اور جن ممالک میں اس نے رواج پایا وہاں اس کے کیا نتائج رونما ہوئے؟ جب تک یہ مقدمات اچھی طرح ذہن نشین نہ ہو جائیں گے، شرع اسلام کا فتویٰ ٹھیک ٹھیک سمجھ میں نہ آئے گا، نہ دل اس پر مطمئن ہو سکیں گے۔

"مقصد اور پس منظر"

ضبطِ ولادت کا اصل مقصد نسل کی افزائش کو روکنا ہے۔ قدیم زمانے میں اس کے لئے اسقاط حمل، قتل اولاد، اور برہم چرج (ضبط نفس، خواہ وہ تجرّد کی شکل میں ہو یا تأہّل کے باوجود مقاربت سے پرہیز کی شکل میں) کے طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ آج کل مؤخرالذکر دونوں طریقوں کو ترک کر دیا گیا ہے اور ان کے بجائے یہ طریقہ ایجاد ہوا ہے کہ مقاربت تو کی جائے مگر دواؤں یا آلات کے ذریعہ سے استقرار حمل کو روک دیا جائے۔ اسقاطِ حمل کا طریقہ بھی کثرت کے ساتھ یورپ اور امریکہ میں رائج ہے۔ لیکن برتھ کنٹرول کی تحریک صرف مانع حمل تدابیر پر زور دیتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ان تدابیر کا علم اس قدر عام کر دیا جائے اور ان کے ذرائع اس کثرت کے ساتھ فراہم کئے جائیں کہ ہر بالغ مرد و عورت ان سے فائدہ اُٹھا سکے۔

تحریک کی ابتدا یورپ میں اس تحریک کی ابتدا اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوئی۔ اس کا پہلا محرک غالباً انگلستان کا مشہور ماہر معاشیات مالتھوس (Malthus) تھا۔ اس کے عہد میں انگریزی قوم کی روزافزوں خوشحالی کے سبب سے انگلستان کی آبادی

تیزی کے ساتھ بڑھنی شروع ہوئی۔ آبادی کی اس توفیر کو دیکھ کر اس نے حساب لگایا کہ زمین پر قابل سکونت جگہ محدود ہے، اور اسی طرح معیشت کے وسائل بھی محدود ہیں، لیکن نسل کی افزائش غیر محدود ہے۔ اگر نسل اپنی فطری رفتار کے ساتھ بڑھتی رہے تو زمین اس کے لئے تنگ ہوجائے گی، وسائل معاش کفایت نہ کرسکیں گے اور افزائش نسل کے ساتھ معیار زندگی پست ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا نسل انسانی کی خوشحالی، آسایش اور فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ اسکی افزایش، وسائل معاش کی وسعت کے ساتھ متناسب رہے اور اس سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ اس غرض کے لیے اس نے برہم چرج کے قدیم طریقے کو رائج کرنے کا مشورہ دیا۔ یعنی بڑی عمر میں شادی کی جائے اور تاھل کی زندگی میں ضبط نفس سے کام لیا جائے۔ یہ خیالات پہلی مرتبہ ۱۷۹۸ء میں اس نے اپنے ایک رسالہ (An Essay on Population as it Effects the future Improvement of Society) میں پیش کیے تھے۔

اس کے بعد فرانسس پلاس (Francis Place) نے فرانس میں افزایش نسل کو روکنے کی ضرورت پر زور دیا مگر اس نے اخلاقی ذرائع کو چھوڑ کر دواؤں اور آلات کے ذریعہ سے منع حمل کی تجویز پیش کی۔ اس رائے کی تائید میں امریکہ کے ایک مشہور ڈاکٹر چارلس نولٹن (Charles Knowlton) نے ۱۸۳۳ء میں کی۔ اس کی کتاب ثمرات فلسفہ (The fruits of Philosophy) غالباً پہلی کتاب ہے جس میں منع حمل کے طبّی طریقوں کی تشریح کی گئی تھی اور ان کے فوائد پر زور دیا گیا تھا۔

ابتدائی تحریک کی ناکامی اور اس کا سبب ابتدا میں اہل مغرب نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس لیے کہ نظریہ اصلاً غلط تھا۔ مالتھوس حساب لگا کر یہ تو دیکھ سکتا تھا کہ آبادی کس رفتار سے بڑھتی ہے۔ لیکن اس کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وسائل معاش کس رفتار سے بڑھتے ہیں اور زمین میں قدرت کے کتنے خزانے پوشیدہ ہیں جو علم کی ترقی عقل کی کارفرمائی اور عمل کی قوّت سے نکلتے چلے آتے ہیں اور انسان کے وسائل معاش میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کا تصوّر معاشی ترقی کے اُن امکانات تک پہنچ ہی نہ سکتا تھا جو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے۔ اور اس کے بعد قوت سے فعل میں آئے۔ انیسویں صدی کے ربع آخر تک یورپ کی آبادی تیزی کے ساتھ بڑھتی رہی، یہانتک کہ ۷۵ سال کے اندر قریب قریب دوگنی ہوگئی۔ خصوصاً انگلستان کی آبادی میں تو حیرت انگیز اضافہ ہوا جس کی مثال نسل انسانی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں اس ملک کی آبادی ۱۲ ملین تھی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ۳۸ ملین تک پہنچ گئی۔ لیکن اس اضافہ کے ساتھ ساتھ معاشی وسائل میں بھی زبردست ترقی ہوئی۔ صنعت و تجارت میں یہ ممالک تمام دنیا کے اجارہ دار ہوگئے۔ ان کی زندگی کا انحصار خود اپنی زمین کی پیداوار پر نہ رہا بلکہ وہ اپنی مصنوعات کے معاوضہ میں دوسرے ممالک سے سامانِ غذا حاصل کرنے لگے اور نسل کی زبردست افزایش کے باوجود ان کو کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ زمین ان کی بڑھتی ہوئی نسلوں کے لیے تنگ ہوگئی ہے، یا قدرت کے خزانے ان کی افزائش نسل کا ساتھ دینے سے انکار کر رہے ہیں۔

جدید تحریک انیسویں صدی کے ربع آخر میں ایک نئی تحریک اُٹھی جو نو مالتھوسی تحریک (Neo-Malthusian Movement) کہلاتی ہے۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں مسز اینی بیسنٹ اور

چارلیس بریڈلانے ڈاکٹر نولٹن کی کتاب "ثمرات فلسفہ" کو انگلستان میں شائع کیا۔ حکومت نے اس پر مقدمہ چلادیا اور مقدمہ کی شہرت نے عوام کو اس تحریک کی طرف متوجہ کر دیا۔ ۱۸۷۷ء میں ڈاکٹر ڈریسڈیل (Drysdale) کے زیر صدارت ایک انجمن قائم ہوگئی جس نے ضبط ولادت کی تائید میں نشر واشاعت شروع کر دی۔ اس کے دو سال بعد مسز بیسنٹ کی کتاب قانون آبادی (Law of Population) شائع ہوئی جس کے ایک لاکھ پچھتر ہزار نسخے پہلے ہی سال فروخت ہو گئے۔ ۱۸۸۱ء میں یہ تحریک ہالینڈ، بلجیم، فرانس اور جرمنی میں پہنچی اور اس کے بعد رفتہ رفتہ یورپ و امریکہ کے تمام متمدن ممالک میں پھیل گئی۔ باقاعدہ انجمنیں قایم ہوئیں جنھوں نے تحریر و تقریر کے ذریعہ سے لوگوں کو ضبط ولادت کے فوائد اور اس کے عملی طریقوں سے آگاہ کیا۔ اس کو اخلاقی نقطۂ نظر سے جائز بلکہ مستحسن، اور معاشی نقطۂ نظر سے مفید بلکہ قطعاً ناگزیر بتایا گیا۔ اس کے لئے دوائیں ایجاد کی گئیں۔ آلات بنائے گئے۔ عام لوگوں کی دست رس تک ان چیزوں کو پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ اور جگہ جگہ (Birth control clinics) قائم کئے گئے جہاں عورتوں اور مردوں کو ضبط ولادت کے لئے ماہرانہ مشورے دیے جانے لگے۔ اس طرح اس نئی تحریک نے بہت جلد فروغ پالیا اور اب روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ترقی کے اسباب دور جدید میں اس تحریک کے پھیلنے کی اصلی وجہ وہ نہیں ہے جس کی بنا پر ابتدا میں مالتھوس نے افزائش کو روکنے کا مشورہ دیا تھا۔ بلکہ دراصل یہ نتیجہ ہے مغرب کے جدید صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) اور سرمایہ دارانہ نظام اور مادہ پرست تہذیب و نفس پرست تمدن کا۔ آئیے اب ہم ان اسباب میں سے ایک ایک پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ اپنے مغربی قوموں کو کس طرح ضبط ولادت پر مجبور کیا۔

۱۔ صنعتی انقلاب یورپ میں جب مشین ایجاد ہوئی، اور مشترک سرمائے سے بڑے بڑے کارخانے قائم کرکے کثیر پیداآوری (Mass production) کا سلسلہ شروع ہُوا تو دیہات کی آبادیاں کھیتی باڑی کو چھوڑکر کارخانوں میں کام کرنے کے لیے شہروں کی طرف آنے لگیں یہانتک کہ دیہات اُجڑ گئے اور بڑے بڑے عظیم الشان شہر وجود میں آئے، جہاں لکھوکھا آدمی ایک محدود جگہ میں مجتمع ہوگئے۔ اس چیز نے ابتدا میں یورپ کی خوشحالی کو خوب بڑھایا لیکن بعد میں اس نے بے شمار معاشی مشکلات پیدا کردیں۔ زندگی کے لیے جدوجہد بڑھ گئی۔ مقابلہ سخت ہوگیا۔ معاشرت کا معیار بلند ہُوا۔ ضروریات زندگی نے وسعت اختیار کی اور ان کی قیمتیں اتنی بڑھ گئیں کہ محدود آمدنی رکھنے والوں کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق اپنی معاشرت کے بلند مرتبے کو قائم رکھنا مشکل ہوگیا۔ مکانات میں جگہ کم اور کرائے زیادہ ہوگئے۔ کمانے والوں کے لیے کھانے والوں کا وجود دوبھر ہونے لگا۔ باپوں کے لیے اولاد اور شوہروں کے لیے بیویوں تک کی پرورش ناقابل برداشت بار بن گئی۔ اور ہر شخص مجبور ہُوا کہ اپنی آمدنی کو صرف اپنی ذات پر خرچ کرے اور دوسرے حصہ داروں کی تعداد جہانتک ممکن ہو گھٹا دے۔

۲۔ عورتوں کا معاشی استقلال ان حالات میں عورتوں کو مجبورًا اپنی آپ کفالت کرنا اور خاندان کے کمانے والے افراد میں شامل ہونا پڑا۔ معاشرت کی قدیم اور فطری تقسیم عمل، جس کی رُو سے مرد کا کام کمانا اور عورت کا کام گھر کا کام کرنا تھا، باطل ہوگئی۔ عورتیں کارخانوں اور دفتروں میں خدمت کرنے کے لئے پہنچ گئیں اور جب کسب معیشت کا بار ان کو سنبھالنا پڑا تو اُن کے لئے ناممکن ہوگیا کہ افزایش نسل اور پرورش اطفال کی اُس خدمت کو بھی اِس کے ساتھ ساتھ ادا کرسکیں جو فطرت نے ان کے سپرد کی تھی۔ ایک عورت جس کو اپنی ضروریات

فراہم کرنے یا گھر کے مشترک بجٹ میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے روزانہ کام کرنا ضروری ہے، کسی طرح اس بات پر آمادہ نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس حالت میں بچے بھی پیدا کرے۔ زمانہ حمل کی تکالیف اکثر عورتوں کو اس قابل نہیں رکھتیں کہ وہ گھر کے باہر کچھ زیادہ جسمانی یا دماغی محنت کر سکیں، خصوصاً حمل کے آخری زمانے میں تو ان کے لیے بیکار رہنا ضروری ہے۔ پھر وضع حمل اور اس کے بعد بھی کچھ مدت تک وہ کام کرنے کے قابل نہیں ہو سکتیں۔ اس کے بعد بچے کو دودھ پلانا اور کم از کم تین چار سال تک اس کی نگرانی، حفاظت اور تربیت کرنا ایسے حالات میں کسی طرح ممکن نہیں۔ نہ تو ماں اپنے شیر خوار بچے کو دفتر یا کارخانے میں لے جاسکتی ہے نہ اپنی قلیل معاش میں اتنی گنجایش نکال سکتی ہے کہ بچہ کی نگہداشت کے لئے نوکر رکھ لے۔ اور اگر وہ اپنے ان فطری وظائف کو انجام دینے کے لیے ایک کافی عرصہ تک بیکار رہے تو بھوکی مر جائے یا شوہر کے لیے ناقابل برداشت بار بن جائے۔ اس کے علاوہ جس کی وہ ملازم ہے وہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ بار بار کئی کئی مہینے کے لئے رخصت لیتی رہے۔ غرض ان اسباب سے عورت اپنی فطری خدمت سے اعراض کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور پیٹ کی ضروریات اس کے اُن زبردست جذبات کو سرد کر دیتی ہیں جو فطرت نے ماں بننے کے لیے اس کے سینے میں ودیعت کئے ہیں۔

۳۔ جدید تہذیب و تمدن جدید تہذیب و تمدن نے بھی ایسے اسباب فراہم کر دیے ہیں جو افزائش نسل سے عام نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔

مادّہ پرستی نے لوگوں میں انتہا درجے کی خود غرضی پیدا کر دی ہے۔ ہر شخص اپنی آسایش کے لیے زیادہ سے زیادہ اسباب فراہم کرنا چاہتا ہے اور پسند نہیں کرتا کہ اس کے رزق میں کوئی دوسرا حصہ لے، خواہ وہ اس کا باپ، بھائی، بہن، حتیٰ کہ اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ امیروں اور

دولتمندوں نے نفس پرستی کے لیے عیش و عشرت کے بے شمار طریقے اور سامان ایجاد کر دیے ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر اوسط اور ادنےٰ درجہ کے لوگ بھی ان کی ریس کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے اسبابِ عیش لوگوں کے لیے لوازم حیات بن گئے ہیں اور لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان چیزوں کے بغیر وہ کسی طرح جی ہی نہیں سکتے۔ اس چیز نے معاشرت کے معیار کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ ایک قلیل المعاش آدمی کے لیئے خود اپنے نفس کے بھی تمام مطالبات کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے کجا کہ وہ بیوی اور اولاد کی ضروریات کا بھی کفیل ہو سکے۔

عورتوں میں تعلیم، آزادی، اور مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط نے ایک نئی ذہنیت پیدا کر دی ہے جو فطری وظائف سے ان کو روز بروز منحرف کرتی چلی جا رہی ہے۔ وہ گھر کی خدمت اور بچوں کی پرورش کو ایک گھناؤنا کام سمجھتی اور اس سے جی چراتی ہیں۔ ان کو دنیا کی ہر چیز سے دلچسپی ہے مگر نہیں ہے تو گھر اور اس کے کام کاج اور بچوں کی نگہداشت سے۔ بیرون خانہ کے لطف چھوڑ کر اندرون خانہ کی کلفتیں برداشت کرنا وہ حماقت سمجھنے لگی ہیں۔ مردوں کے لیے جاذب نظر بننے کے لیے وہ لاغر اندام، نرم و نازک، حسین اور جوان بننا چاہتی ہیں اِن اغراض کے لیے وہ زہریلی دوائیں تک کھا کر جان دے سکتی ہیں[1] مگر بچے جَن کر صحت خراب کرنا پسند نہیں کرتیں۔ کروڑ ہا روپیہ اپنے بناؤ سنگھار اور اپنے لباس پر خرچ کر سکتی ہیں مگر بچوں کی پرورش کے لیے ان کے بجٹ میں گنجایش نہیں نِکلتی۔

تہذیب و تمدن نے انتہا درجہ کی نفس پرستی پیدا کر دی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کریں مگر اس لذت کے ساتھ جو نتائج اور ذمہ داریاں

---

[1] ابھی حال میں نیویارک کے ہیلتھ کمشنر نے ایک تنبیہ شایع کی تھی کہ عورتیں لاغر اندام بننے کے لیے ایک دوا کثرت سے استعمال کر رہی ہیں جس کا نام (Dinitrophenol) ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ دوا سخت زہریلی ہے اور اب تک بہت سی عورتیں اس کی سمیت سے مر چکی ہیں۔

فطرت نے مقرر کی ہیں ان سے نیچے رہیں۔ زمانہ حمل اور اس کے بعد بچوں کی پرورش سے اپنے عیش کو کرکرا کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت اور آئندہ زندگی میں ان کے لیے کامیابی کے مواقع پیدا کرنے کی خاطر بہت سے لوگ (خصوصاً متوسط طبقے والے) ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک دو بچوں سے زیادہ پیدا نہ کریں۔ ان کے معیار اور تخیلات اتنے بلند ہو گئے ہیں کہ ان کے وسائل معاش اُن تخیلات کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور ایسے بلند تخیلات کے مطابق زیادہ بچوں کو پرورش کرنا، تعلیم دلوانا، اور زندگی میں اچھے آغاز (Start) کے مواقع بہم پہنچانا ان کے لیے محال ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ تمدّن نے ذرائع تعلیم و تربیت کو نہایت گراں قیمت بھی کر دیا ہے۔

دہریت نے لوگوں کے دلوں سے خدا کا خیال ہی مٹا دیا ہے، بجائے وہ اس پر بھروسہ کریں اور اس کی رزاقی پر اعتماد رکھیں۔ وہ صرف اپنے موجودہ ذرائع ہی پر نظر رکھتے ہیں اور خود اپنے آپ کو اپنا اور اپنی اولاد کا رازق سمجھتے ہیں۔

یہ اسباب ہیں جن سے مغربی ممالک میں ضبطِ ولادت کی تحریک کو اس قدر تیزی اور وسعت کے ساتھ فروغ حاصل ہوا۔ اگر آپ اِن اسباب پر غور کی نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو گا کہ اہل مغرب نے پہلے خود ہی غلطی کی کہ اپنے تمدن، معاشرت اور معیشت کو سرمایہ داری، مادیت، اور نفس پرستی کی غلط بنیادوں پر تعمیر کیا اور جب یہ تعمیر اپنے کمال کو پہنچ کر اپنے بُرے نتائج ظاہر کرنے لگی تو پھر اُنہوں نے دوسری حماقت یہ کی کہ اس ظاہر فریب نظام معیشت و معاشرت، اور طرز تہذیب و تمدن کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھ کر اس کے بُرے ثمرات سے بچنے کی کوشش کی۔ اگر وہ عقلمند ہوتے تو ان اصلی خرابیوں کو تلاش کرتے جن کی بدولت

زندگی میں ان کے لیے یہ دشواریاں پیدا ہوئی ہیں اور ان کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے۔
لیکن انہوں نے اصلی خرابیوں کو سمجھا ہی نہیں اور اگر سمجھا بھی تو یہ ظاہر فریب تہذیب و
معاشرت ان کے لئے اس قدر خوشنما ہو چکی تھی کہ انہوں نے اس کو کسی صالح تر نظامِ حیات
سے بدلنا پسند نہ کیا۔ برعکس اس کے اُنہوں نے چاہا کہ اس تہذیب و تمدّن اور اس نظامِ
معیشت و معاشرت کو قائم رکھ کر اپنی زندگی کی دشواریوں کو دوسرے طریقوں سے حل
کریں۔ اس تلاش و تجسّس میں ان کو سب سے زیادہ آسان طریقہ یہی نظر آیا کہ اپنی نسلوں
کو بڑھنے سے روک دیں تاکہ ان کو اپنے وسائل معاش اور اسباب عیش سے بلا شرکتِ
غیرے لطف اُٹھانے کا موقع مل جائے اور آئندہ نسلیں ان کے ساتھ حصہ بٹانے اور
ان کی زندگی کو غیر مفید اور بے لطف ذمہ داریوں سے گرانبار کرنے کے لیے پیدا ہی
نہ ہوں۔

"نتائج"

اب ایک نظر اس تحریک کے اُن نتائج پر بھی ڈال لیجئے جو گذشتہ ۶۰ سال کے عملی تجربہ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ۶۰ سال کی مدت ایک ایسی تحریک کے حُسن و قُبح کا اندازہ کرنے کے لئے بالکل کافی ہے جس کو مختلف ملکوں اور قوموں میں اس قدر کثرت کے ساتھ اشاعت نصیب ہوئی ہو، اور جس کے نتائج کی بار بار تحقیق کی جا چکی ہو۔

طبقات کا عدم توازن برتھ کنٹرول کرنے والے ممالک میں سے انگلستان کو ایک نمونے کے ملک کی حیثیت سے لیجئے کیونکہ ہمارے پاس دوسرے ممالک کی بہ نسبت اس کے متعلق زیادہ ذرائع معلومات ہیں اور حالات کے اعتبار سے انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں ہے۔ انگلستان کے رجسٹرار جنرل کی رپورٹوں اور نیشنل برتھ ریٹ کمیشن کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ برتھ کنٹرول کا رواج سب سے زیادہ اعلیٰ اور اوسط طبقہ میں ہے۔ زیادہ تر اچھی تنخواہیں پانے والے کارکن، اعلیٰ تعلیمیافتہ کاروباری لوگ، متوسط طبقہ کے ذی حیثیت لوگ، اور دولت مند امراء، تجار اور کارخانہ دار اس تحریک پر عامل ہیں۔ رہے ادنےٰ طبقوں کے مزدور اور کام پیشہ، تو ان میں برتھ کنٹرول کا رواج بمنزلۂ صفر ہے نہ ان کے معیار زندگی زیادہ بلند ہوئے ہیں، نہ ان کے دلوں میں اونچے حوصلے ہیں، نہ ان میں دولت مندوں کی شان دار معاشرت اختیار کرنے کی ہوس ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کے ہاں ابھی تک وُہی قدیم دستور جاری ہے کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے یہی

وجہ ہے کہ معاش کی قلت، وسائل زندگی کی گرانی، اور مکانات کی تنگی کے باوجود وہ ضبطِ ولادت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان میں شرح پیدایش چالیس فی ہزار کے قریب ہے، اور اس کے برعکس اعلیٰ اور اوسط طبقوں میں شرح پیدایش اتنی کم ہوگئی ہے کہ انگلستان کی مجموعی شرح پیدایش صرف ۱۶ فی ہزار ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی سوسائٹی میں ادنیٰ طبقے بڑھ رہے ہیں اور ان لوگوں کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہے جو عقلی و ذہنی مرتبے کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتے ہیں اور جن میں کارفرمائی و رہنمائی کی صلاحیت ہے۔ یہ چیز آخرکار انگریزی قوم کے زوال کی موجب ہو گی۔ اس لئے کہ اس کا لازمی نتیجہ قحط الرجال ہے اور قحط الرجال کے بعد کوئی قوم دنیا میں سربلند نہیں رہ سکتی۔

زنا اور امراضِ خبیثہ کی کثرت ضبطِ ولادت سے زنا اور امراضِ خبیثہ کو بڑا فروغ نصیب ہوا ہے۔ عورتوں کو دو چیزیں اخلاق کے بلند معیار پر قایم رکھتی ہیں۔ ایک ان کی فطری حیا۔ دوسرے یہ کہ حرامی بچہ کی پیدایش ان کو سوسائٹی میں ذلیل کردے گی۔ ان میں سے پہلی روک کو تو جدید تہذیب نے بڑی حد تک دور کر دیا۔ رقص و سرود، سینما، نائٹ کلبس، اور شراب نوشی کی محفلوں میں مردوں کے ساتھ آزادانہ شرکت کے بعد حیا کہاں باقی رہ سکتی ہے۔ رہا حرامی اولاد کی پیدایش کا خوف، تو ضبطِ ولادت کے رواجِ عام نے اس کو بھی باقی نہ رکھا۔ اب عورتوں اور مردوں کو زنا کا عام لائسنس مل گیا ہے اور زنا کی کثرت کے ساتھ امراضِ خبیثہ کا ہونا ضروری ہے۔

طلاق کی کثرت ضبطِ ولادت بھی ان اسباب میں سے ایک ہے جنہوں نے مغربی ممالک میں ازدواجی تعلقات کی بندشوں کو کمزور کر دیا ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان زوجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جب اولاد نہ ہو گی تو زوجین کے لئے ایک

دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں طلاق کا رواج نہایت کثرت کے ساتھ پھیل رہا ہے، اور طلاق حاصل کرنے والوں میں بڑی اکثریت ان جوڑوں کی پائی جاتی ہے جو بے اولاد ہیں۔ حال کا واقعہ ہے کہ لندن کی عدالت طلاق میں ڈیڑھ منٹ کے اندر ۱۱ نکاح فسخ کرائے گئے اور بلا استثناء وہ سب کے سب ایسے جوڑے تھے جن کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی۔

شرح پیدائش کی کمی سب سے زیادہ اہم نتیجہ یہ ہے کہ جتنی قومیں اس وقت ضبطِ ولادت پر عمل کر رہی ہیں ان سب کی شرح پیدائش خوفناک حد تک کم ہوگئی ہے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اس تحریک کی اشاعت سنہ ۱۸۷۶ء سے شروع ہوئی ہے۔ ذیل کے نقشے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اُس وقت مختلف ممالک کی فی ہزار شرح پیدائش کیا تھی اور اس کے بعد سے کس طرح گھٹتی چلی گئی:۔

	انگلستان و ویلز	بلجیم	ڈنمارک	فرانس	جرمنی	اٹلی	ہالینڈ	ناروے	سویڈن	[illegible]
سنہ ۱۸۷۶ء	۳۶٫۳	۳۳٫۲	۳۲٫۶	۲۶٫۲	۴۰٫۹	۳۹٫۲	۳۷٫۱	۳۱٫۸	۳۰٫۸	۳۲٫۰
سنہ ۱۹۰۱ء	۲۸٫۵	۲۹٫۴	۲۹٫۷	۲۲٫۰	۳۵٫۷	۳۲٫۶	۳۲٫۳	۲۹٫۶	۲۷٫۰	۲۹٫۰
سنہ ۱۹۱۳ء	۲۳٫۱	۲۲٫۶	۲۵٫۶	۱۹٫۰	۲۷٫۵	۳۱٫۷	۲۸٫۳	۲۵٫۲	۲۳٫۱	۳۳٫۱
سنہ ۱۹۲۶ء	۱۷٫۸	۱۸٫۹	۲۱٫۰	۱۸٫۸	۲۰٫۷	۲۷٫۸	۲۳٫۸	۱۹٫۷	۱۶٫۹	۱۸٫۲

یہ نقشہ ضبط ولادت کے نتائج صاف ظاہر کر رہا ہے۔ اس تحریک کے آغاز کی تاریخ سے تمام ممالک میں بلا استثناء شرح پیدائش کا کم ہوتا اور برابر کم ہوتے چلے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ضبط ولادت اس کی تنہا وجہ نہیں تو ایک بڑی وجہ ضرور ہے۔ خود انگلستان کے رجسٹرار جنرل

نے تسلیم کیا ہے کہ شرح پیدائش کے کم ہونے کی ۷۰ فی صدی ذمہ داری برتھ کنٹرول کے رواج پر ہے۔ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ مغربی ممالک کی شرح پیدائش کو گھٹانے میں ضبط ولادت کے مصنوعی ذرائع کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

اس سے زیادہ واضح طور پر ضبط ولادت کے نتائج معلوم کرنے کے لئے اِن ممالک کی شرح مناکحت اور شرح پیدائش کا مقابلہ کیجئے۔ انگلستان میں ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۱ء تک شرح مناکحت میں ۲،۶ فیصدی کی کمی واقع ہوئی لیکن شرح پیدائش ۵،۲۱ فی صدی کم ہوگئی۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۳ء تک شرح مناکحت بدستور قایم رہی مگر شرح پیدائش میں ۵،۶ فی صدی کمی واقع ہوئی ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۶ء کے درمیان مختلف ممالک میں شرح مناکحت اور شرح پیدائش کا جو تناسب پایا گیا ہے، اس کا حال ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا:-

	شرح مناکحت			شرح پیدائش		
فرانس	۷،۶	فی صدی	اضافہ	۲۸،۲	فی صدی	کمی
جرمنی	۹،۴	"	کمی	۴۹،۴	"	"
اِٹلی	۹،۸	"	"	۲۹،۱	"	"
ہالینڈ	۱۰،۳	"	"	۳۵،۶	"	"
سویڈن	۱۱،۳	"	"	۴۵،۱	"	"
ڈنمارک	۱۲،۳	"	"	۳۵،۶	"	"
سوئٹزرلینڈ	۱۲،۹	"	"	۴۴،۸	"	"
انگلستان اور ویلز	۱۳،۳	"	"	۵۱،۰	"	"
ناروے	۲۶،۰	"	"	۳۸،۰	"	"

اسی روش پر امریکہ بھی جا رہا ہے۔ وہاں ۵۰ سال کے اندر شرح پیدائش ۴۰ فی ہزار سے گھٹ کر ۲۱ فی ہزار رہ گئی ہے۔ سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک شرح مناکحت میں ۱۰ فی صدی کی کمی واقع ہوئی مگر شرح پیدائش اس مدت میں ۱۷ فی صدی کم ہوئی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنے والے ممالک میں عورت اور مرد کے زوجی تعلقات روز بروز کس قدر بے نتیجہ ہوتے جا رہے ہیں۔ شادیوں میں جتنی کمی ہو رہی ہے اس سے زیادہ کمی پیدائش میں ہو رہی ہے۔

شرح پیدائش کی اس روز افزوں کمی کے باوجود اِن ممالک کی آبادی میں جو تھوڑا بہت اضافہ ہو رہا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ فن طب کی ترقی اور حفظان صحت کی وسیع تدابیر نے شرح اموات کو بھی بڑی حد تک گھٹا دیا ہے۔ لیکن اب شرح اموات اور شرح پیدائش میں تھوڑا ہی فرق رہ گیا ہے اور عام طور پر خوف کیا جا رہا ہے کہ عنقریب شرح پیدائش، شرح اموات سے کم ہو جائیگی جس کے معنی یہ ہیں کہ ان قوموں میں جتنے آدمی پیدا ہوں گے ان سے زیادہ مر جائیں گے۔ انگلستان میں سنہ ۱۹۳۳ء کے ربع اول میں پیدائش کی تعداد ۱۴۸۶۰۵ تھی اور اموات کی تعداد ۱۷۰۰۰۲۔ گویا تین مہینے کے اندر آبادی میں ۲۱ ہزار سے زیادہ کمی واقع ہوئی۔ سنہ ۱۹۳۲ء کے اسی زمانہ کی بہ نسبت پیدائش میں ساڑھے تین ہزار کی کمی ہوئی اور اموات میں ساڑھے ۱۶ ہزار کا اضافہ ہو گیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء کے ربع دوم میں پیدائش کی تعداد اموات سے زیادہ تھی مگر آبادی کا اضافہ معمول سے کم رہا۔ اٹلی میں سنہ ۱۹۲۴ء کی بہ نسبت سنہ ۱۹۳۲ء میں ایک لاکھ ۲۲ ہزار بچے کم پیدا ہوئے مگر اِس مدت میں اموات کی کمی صرف ۵۵ ہزار تھی۔ سب سے زیادہ خطرناک حالت فرانس کی ہے جہاں انیسویں صدی کے آغاز سے شرح پیدائش برابر گھٹتی چلی جا رہی ہے[۱]۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں شرح پیدائش ۳۲،۲ تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں ۲۲،۱

[۱] فرانس میں ضبط ولادت کا رواج انیسویں صدی کے آغاز سے شروع ہو گیا تھا۔ وہاں فرانسس پلاس اس رواج کا بانی ہے۔ جیسا کہ ابتدائے مضمون میں بیان کیا جا چکا ہے۔

ہوگئی، اور اب ۸۰ فی ہزار ہے۔ لیکن شرح اموات کی تقلیل شرح پیدایش کی تقلیل کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ ۱۹۳۲ء میں فرانس کے ۹۰ قطاع (Departments) میں سے بارہ ایسے تھے جن میں شرح پیدایش شرح اموات سے زیادہ تھی ۱۹۲۳ء میں صرف چھ اقطاع ایسے رہ گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک کے ۶ حصے آبادی میں تھوڑا سا اضافہ کر رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ۸۴ حصے ایسے ہیں جہاں پیدایش کی بہ نسبت اموات کی تعداد زیادہ ہے۔

ردعمل ان حالات نے تمام یورپ کے دور اندیش مدبرین میں اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ مختصراً ہم بیان کرینگے کہ مختلف ممالک میں شرح پیدایش کی اس کمی کو کس نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔

انگلستان ۱۹۱۶ء میں ایک نیشنل برتھ ریٹ کمیشن مقرر کیا گیا جس میں طب، معاشیات، سائنس، عددیات (Statistics) تعلیم، اور دینیات کے ۲۳ ماہرین شریک کئے گئے حکومت کی جانب سے ڈاکٹر اسٹیونسن (Stevenson) مہتمم عددیات، اور سر آرتھر نیوزہوم (Newsholme) پرنسپل میڈیکل آفیسر اس میں شریک ہوئے۔ اس کمیشن کی طرف سے اب تک متعدد رپورٹیں شایع ہو چکی ہیں۔ ایک رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ:۔

برطانیہ کو اپنی شرح پیدایش کی روز افزوں کمی پر نہایت درجہ تشویش کی نظر کرنی چاہیئے اور اس کمی کو روکنے اور حتی الوسع زیادتی کی طرف لے جانے کے لئے ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جو اس کے امکان میں ہوں۔

سر جارج نیومن جو انگلستان کی وزارت صحت کے چیف میڈیکل آفیسر ہیں شرح پیدایش کی کمی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اگر اس کمی کو نہ روکا گیا تو برطانیہ ایک چوتھے درجہ کی طاقت ہو جائے گی"

سر ولیم بیورج (Beveridge) لندن اسکول آف اکنامکس کے ڈائرکٹر نے حال میں

اپنی ایک نشر صوتی تقریر میں کہا کہ اموات اور پیدائش کا تناسب اگر اسی رفتار سے بگڑتا رہا تو آئندہ دس سال میں انگلستان کی آبادی گھٹنی شروع ہو جائے گی اور ۳۰ سال کے اندر ۲۰ لاکھ کی کمی واقع ہوگی۔ قریب قریب یہی رائے لورپول یونیورسٹی کے پروفیسر کار ساندرس کی ہے۔ اس خطرے کو دور کرنے کے لئے ضبط ولادت کے خلاف تحریک شروع ہو گئی ہے اور جمعیت حیات قومی (League of National life) کے نام سے ایک انجمن قایم کی گئی ہے جس میں ممتاز مرد اور خواتین شریک ہیں:۔

فرانس حکومت کو اس خطرے کا احساس ہوگیا ہے کہ شرح پیدائش کا زوال فرانسیسی قوم کا زوال ہے۔ فرانس کے اہل بصیرت محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اسی رفتار سے ان کی آبادی گھٹتی رہی تو ایک روز فرانسیسی قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگی۔ مردم شماری کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۲۱ء میں فرانس کی آبادی ۲۱ لاکھ کم ہو گئی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۵ لاکھ کا اضافہ ہوا لیکن وہ زیادہ تر غیر ملکی لوگوں کی درآمد کا نتیجہ تھا۔ فرانس میں اجنبی قوموں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے یہانتک کہ آبادی کا ۲ ء ۷ فی صدی حصہ اجنبی ہے۔ یہ فرانسیسی قوم کے لیے اور بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ قوم پرستی کے موجودہ دور میں اجنبی آبادی کا بڑھنا اور وطنی آبادی کا گھٹنا قومی زندگی کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ فرانس میں ایک زبردست تحریک (National Alliance for the Increase of Population) کے نام سے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے شروع ہوگئی ہے۔ حکومت نے ضبط ولادت کی تعلیم اور نشر و اشاعت کو قانوناً ممنوع قرار دیا ہے۔ آبادی بڑھانے کے لیے تقریباً ایک درجن قوانین نافذ کئے گئے ہیں جن کی رُو سے زیادہ بچے پیدا کرنے والے خاندانوں کو مالی امداد دی جاتی ہے، ٹیکس میں کمی کی جاتی ہے، تنخواہیں، مزدوریاں، اور پنشنیں زیادہ دی جاتی ہیں۔ ان کے لیے

ریل کے کرائے کم کیے جاتے ہیں حتی کہ انہیں تمغے تک دیے جاتے ہیں اور دوسری طرف
شادی نہ کرنے والوں یا بچے نہ رکھنے والے جوڑوں پر (Surtax) لگایا جاتا ہے گویا
بعداز خرابئ بسیار اب فرانسیسی قوم کی آنکھ کھلی ہے اور وہ اس گناہ کا کفارہ ادا کر رہی ہے جو اس
نے قوانین فطرت سے انحراف کر کے ضبط ولادت کی صورت میں کیا تھا ۔

جرمنی نازی جماعت نے برسر اقتدار آنے کے بعد آبادی کے گھٹتے ہوئے زوال کو سب
سے بڑا خطرہ قرار دیا اور اس کے تدارک کی کوشش کی۔ ایک نازی اخبار نے لکھا کہ :-

"اگر ہماری شرح پیدائش اسی طرح گھٹتی رہی تو خوف ہے کہ ایک وقت ہماری قوم بالکل بانجھ
ہو جائیگی اور موجودہ نسل کے کاموں کو سنبھالنے کے لیے نئی نسلیں اُٹھنی بند ہو جائیں گی "

اس حالت کی اصلاح کے لیے حکومت نے ضبط ولادت کی تعلیم و ترویج کو قانوناً روک
دیا۔ عورتوں کو کارخانوں اور دفتروں سے خارج کرنا شروع کر دیا۔ نوجوانوں کو نکاح کی طرف
رغبت دلانے کے لیے قرضۂ شادی (Marriage loan) کے نام سے رقمیں دیں۔
بن بیاہوں اور بے اولادوں پر ٹیکس لگائے اور زیادہ بچے پیدا کرنے والوں پر ٹیکس کم
کر دیے۔ ۱۹۳۴ء میں ایک کروڑ پونڈ کے قرضہ ہائے شادی دیے گئے جن سے ۶ لاکھ مردوں
اور عورتوں نے فائدہ اٹھایا۔ ۱۹۳۵ء کے نئے قانون کی رو سے ایک بچہ پیدا ہونے پر انکم
ٹیکس میں ۱۵ فی صدی، دو بچوں پر ۳۵ فی صدی، تین پر ۵۵ فی صدی، چار پر ۷۵ فی صدی،
پانچ پر ۹۵ فی صدی کمی کی جاتی ہے، اور جب چھ بچے ہوتے ہیں تو پورا انکم ٹیکس معاف
کر دیا جاتا ہے ۔

اٹلی مسولینی کی حکومت ۱۹۳۳ء سے آبادی بڑھانے کی طرف خاص توجہ کر رہی ہے۔
ضبط ولادت کی نشر و اشاعت قانوناً ممنوع ہے۔ نکاح اور تناسل کی ترغیب کے لیے وہ

تمام تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں جو جرمنی اور فرانس کے حالات میں بیان کی گئی ہیں ۔

سویڈن حال ہی میں سویڈن کے ایک سابق وزیر (Trygger) نے پارلیمنٹ (Riksdag) میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر سویڈش قوم خودکشی نہیں کرنا چاہتی ہے تو شرح پیدائش کی روزافزوں کمی کو روکنے کیلئے فوری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے ۱۹۲۱ء سے شرح پیدائش کی کمی خوفناک ہوگئی ہے اور آبادی میں اضافہ ہوگیا ہے"! اس تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ اب سویڈش پارلیمنٹ ایک کمیشن مقرر کرنے والی ہے جو آبادی کی توفیر کے ذرایع دریافت کریگا۔

اب آپ برتھ کنٹرول سے کافی رُوشناس ہو چکے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تحریک کی حقیقت کیا ہے، کن وجوہ سے یہ پیدا ہوئی، کن اسباب سے اس نے ترقی کی، جن ممالک میں یہ رائج ہوئی وہاں اس کے کیا نتائج رونما ہوئے، اور جنہوں نے اس کا اچھی طرح تجربہ کرلیا ہے وہ اب اس کو کس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں امید ہے کہ برتھ کنٹرول کے متعلق اسلام کا فتوےٰ زیادہ آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آئے گا، زیادہ گہرائی کے ساتھ ذہن نشین ہوگا اور اس کی مصلحتیں زیادہ روشنی کے ساتھ آپ پر واضح ہوں گی ۔

بعد کا اضافہ ۱۹۳۶ء کی فرانسیسی مردم شماری مظہر ہے کہ پانچ سال کے اندر فرانس کی آبادی میں صرف پانچ لاکھ ۸۰ ہزار کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں شرح پیدائش ۲۱،۴ تھی، ۱۹۳۶ء میں صرف ۱۵،۲ فی ہزار رہ گئی۔

۱۹۳۶ء کے بین الاقوامی اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی کے سوا تمام بڑے بڑے ممالک کی شرح پیدائش میں کمی واقع ہوئی ہے۔ انگلستان کی شرح پیدائش تو فرانس سے بھی کم ہے یعنی ۱۴،۷ فی ہزار۔ تین سال کے اندر شرح اموات اور شرح پیدائش برابر ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے ۔

اصولِ اسلام

صفحاتِ گذشتہ میں تحریک ضبط ولادت کی ترقی کے اسباب اور اس کے نتائج کا جو تفصیلی بیان پیش کیا گیا ہے اس کو بنظرِ غائر ملاحظہ کرنے سے دو اہم حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ اہل مغرب میں ضبطِ ولادت کی خواہش پیدا ہونا اور اس تحریک کا اس کثرت سے ان کے افراد میں رائج ہو جانا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی فطرت ہی توالد و تناسل سے پرہیز کا اقتضاء کرتی ہے بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ دو صدیوں سے ان کے ہاں تمدن و تہذیب اور معیشت و معاشرت کا جو نظام رائج ہے اُس نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جن میں وہ اولاد سے بچنے اور توالد و تناسل سے نفرت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اگر یہ حالات نہ ہوتے تو وہ اب بھی اُسی طرح ضبطِ ولادت سے بیگانہ رہتے جس طرح انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں تھے۔ کیونکہ ان کی جو فطرت اس زمانے میں اولاد کی محبت اور توالد و تناسل کی جانب رغبت کا اقتضاء کرتی تھی، وہی فطرت اب بھی موجود ہے۔ ۶۰ سال کے اندر اس میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ ضبط ولادت کے رواج سے مغربی قومیں جن خطرات و مشکلات میں گھر گئی ہیں اُنھوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ضبط ولادت کی تحریک، قوانین فطرت میں جو ترمیم کرنا چاہتی ہے وہ انسان کے لئے سخت نقصان دہ ہے اور درحقیقت فطرت کے

قوانین لائق ترمیم نہیں ہیں بلکہ وہ نظام تمدن وتہذیب اور نظام معیشت و معاشرت بدل دینے کے لائق ہے جو انسان کو قوانین فطرت کی خلاف ورزی پر مجبور کرکے ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

اصولِ اسلام مغربی تجربہ کے یہ دو سبق ہم کو اصولِ اسلام سے بہت قریب لے جاتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اور اُس نے شخصی و اجتماعی طرز عمل کے لئے جتنے طریقے مقرر کیے ہیں وہ سب اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہیں کہ انسان اُن قوانین فطرت کی پیروی کرے جن پر کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے اور کوئی ایسا طرز زندگی اختیار نہ کرے جو قوانین فطرت کی خلاف ورزی پر اس کو مجبور کرتا ہو۔ قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کرکے اس کی جبلّت میں اس طریقہ کی تعلیم بھی ودیعت فرمادی ہے جس پر چل کر وہ چیز نظام وجود میں اپنے حصہ کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتی ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۔ (۲۰ : ۳)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئے کو اس کی خاص بناوٹ عطا کی پھر اس کو اُن اغراض کے پورا کرنے کی راہ بھی بتادی جن کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے۔

کائنات کی تمام چیزیں بے چون وچرا اس ہدایت کی پیروی کر رہی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ان کے لیے جو راستہ مقرر فرمادیا ہے اس سے ہٹنے کی ان میں قدرت ہی نہیں۔ البتہ انسان کو یہ قدرت دی گئی ہے کہ وہ اس راستہ سے ہٹ سکتا ہے، اس پر چلنے سے انکار کرسکتا ہے، اپنی عقل اور ذہانت سے غلط کام لے کر اس کے خلاف دوسرے راستے نکال سکتا ہے اور کوشش کرکے ان پر چل بھی سکتا ہے لیکن ہر وہ راستہ جسے انسان خدا کے بنائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر اپنی ہوائے نفس کے اتباع میں ایجاد و اختیار کرتا ہے ٹیڑھا راستہ

ہے اور اس کی پیروی گمراہی ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (۲۸ : ۵)

اس سے زیادہ گمراہ اور کون ہوگا جس نے اللہ کی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

یہ گمراہی ظاہر بیں خواہ کتنی ہی مفید نظر آئے لیکن درحقیقت جو انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑتا ہے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے کیونکہ انجام کار میں اسکی غلط کاری خود اسی کے لیے نقصان دہ اور موجب ہلاکت ثابت ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (۶۵ : ۱)

اور جس کسی نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

قرآن کہتا ہے کہ خدا کی بناوٹ کو بدلنا اور ان قوانین فطرت کو توڑنا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جاری کیا ہے درصل ایک شیطانی فعل ہے اور شیطان ہی اس فعل کی تعلیم دیتا ہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (۴ : ۱۸)

شیطان نے کہا کہ میں اولادِ آدم کو حکم دونگا کہ اللہ کی بناوٹ کو بدل ڈالیں۔

اور شیطان کون ہے؟ وہ جو ازل سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ (۲ : ۲۱)

اور تم شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تم کو بدی اور بے حیائی کے کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

پس اسلام نے جس قاعدے پر اپنے نظام تمدن و تہذیب اور نظام معیشت

ومعاشرت کی بنیاد رکھی ہے وہ یہ ہے کہ انسان انفرادی اور مجموعی حیثیت سے اپنی نطرت کے تمام مقتضیات کو ٹھیک ٹھیک قوانین فطرت کے مطابق پورا کرے اور اللہ کی دی ہوئی تمام قوتوں سے اُس طریقہ پر کام لے جس کی ہدایت خود اللہ نے دی ہے۔ نہ کسی قوت کو معطل و بیکار بنائے، نہ کسی قوت کے استعمال میں اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے انحراف کرے اور نہ شیطانی تحریص و ترغیب سے گمراہ ہو کر اپنی فلاح و بہبود اُن طریقوں میں تلاش کرے جو فطرت کی سیدھی راہ سے ہٹ کر نکلتے ہیں :-

تمدنِ اسلام میں ضبط ولادت کی گنجایش ہی نہیں اس قاعدے کو پیش نظر رکھ کر جب آپ اسلام پر نگاہ ڈالیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اسلامی نظام تمدن نے سرے سے اُن اسباب و دواعی کا ہی استیصال کر دیا ہے جن کی وجہ سے انسان اپنی فطرت کے اس اہم اقتضاء یعنی توالد و تناسل سے پرہیز کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے برتھ کنٹرول کی ضرورت داعی نہیں ہوتی، نہ اس کی عین سرشت اِس کا اقتضاء کرتی ہے بلکہ ایک خاص طرز کا نظام تمدن جب کسی انسانی جماعت میں مخصوص قسم کے حالات پیدا کر دیتا ہے، تب انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی آسایش اور اپنی فلاح و بہبود کی خاطر اپنی آئندہ نسل کا سلسلہ منقطع کر دے، یا اس کو بڑی حد تک گھٹانے کی کوشش کرے۔ اس سے آپ خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر کوئی تمدن اس خاص طرز سے مختلف طرز پر قائم ہو اور اس میں وہ مخصوص قسم کے حالات پیدا ہی نہ ہوں تو سرے سے وہ مشکلات اور وہ دواعی وجود ہی میں نہ آئیں گے جو انسان کو اللہ کی بناوٹ کے بدلنے، اور اس کی حدود سے تجاوز کرنے، اور قوانین فطرت کے مقتضیات سے انحراف کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

اسلام کے نظامِ معاشی نے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی ہے۔ وہ سود کو حرام کرتا ہے۔ اجارہ داری کو روکتا ہے۔ جُوئے اور سٹے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ مال جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور زکوٰۃ و وراثت کے طریقے جاری کرتا ہے۔ یہ احکام اِن بہت سی خرابیوں کا استیصال کر دیتے ہیں جنہوں نے مغرب کی معاشی زندگی کو سرمایہ داروں کے سوا اور سب کے لیے ایک مستقل عذاب بنا دیا ہے۔

اسلام کے نظامِ معاشرت نے عورت کو وراثت کے حقوق دیئے ہیں، مرد کی کمائی میں اس کا حق مقرر کیا ہے مرد و عورت کے دائرہ عمل کو فطری حدود میں تقسیم کیا ہے، عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کو حجابِ شرعی کے ذریعہ سے روک دیا ہے اور اس طرح معیشت و معاشرت کی ان بہت سی خرابیوں کو دور کر دیا ہے جن کی وجہ سے عورت اپنے فطری فرض افزائش نسل و تربیت اولاد سے انحراف کرنے پر آمادہ یا مجبور ہوتی ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات انسان کو سادہ اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کرنا سکھاتی ہیں۔ وہ زناکاری اور شراب خواری کو حرام کرتا ہے۔ رقص و سرود سے (جو قوی ترین محرکاتِ زنا میں سے ہے) روکتا ہے۔ بہت سے اُن تفریحی مشاغل اور عیش پسندانہ تفریحات کی راہ بند کرتا ہے جو انسان کو فضول خرچ بناتے ہیں۔ لباس، مکان اور آرایش و آسایش کے اسباب میں کفایت شعاری برتنے کی تاکید کرتا ہے اور اس بداخلاقی، اسراف اور حد سے بڑھی ہوئی لذت پرستی کا استیصال کر دیتا ہے جو مغربی ممالک میں برتھ کنٹرول کی ترویج کے اہم اسباب میں ہے۔ اس کے ساتھ اسلام آپس کی ہمدردی اور امداد باہمی کی تعلیم دیتا ہے۔ صلۂ رحمی کی تاکید کرتا ہے۔ ہمسایوں کی مدد اور غریب و نادار ابنائے نوع پر اِنفاق

فی سبیل اللہ کا حکم دیتا ہے اور خود غرضی و نفس پرستی سے روکتا ہے۔ یہ سب چیزیں انسان میں منفرداً اور دوسری طرف سوسائٹی میں مجتمعاً ایک ایسا اخلاقی ماحول پیدا کر دیتی ہیں جس میں ضبط ولادت کے داعیات پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام نے خدا پرستی کی تعلیم دی ہے۔ وہ خدا پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے اور یہ حقیقت انسان کے ذہن نشین کر دیتا ہے کہ اس کا اور ہر جاندار کا اصلی رازق حق تعالیٰ ہے۔ یہ چیز انسان میں وہ ذہنیت پیدا ہی نہیں ہونے دیتی جس سے وہ اپنی زندگی میں صرف اپنے ہی ذرائع اور اپنی ہی کوشش پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کے اجتماعی قوانین اور اس کی اخلاقی تعلیمات اور رُوحانی تربیّت نے ان اسباب و دواعی میں سے ہر سبب کو اور ہر داعیہ کو مٹا دیا ہے جو مغربی تمدّن و تہذیب میں ضبط ولادت کے لیے باعث تحریک ہوئے ہیں۔ اگر انسان ذہنی و عملی حیثیت سے ایک سچا مسلمان ہو تو نہ کبھی اس کے نفس میں ضبط ولادت کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اس کی زندگی میں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جو اس کو فطرت کے سیدھے راستے سے منحرف ہونے پر مجبور کر دیں:۔

ضبط ولادت کے متعلق اسلام کا فتوےٰ

یہ تو مسئلہ کا سلبی (Negative) پہلو تھا۔ اب ہم کو ایجابی (Positive) پہلو سے دیکھنا چاہیئے کہ ضبط ولادت کے متعلق اسلام کا فتویٰ کیا ہے:۔

قرآن مجید میں ایک جگہ یہ قاعدۂ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ تغییر خلق اللہ ایک شیطانی فعل ہے وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ (۴: ۱۸) اس آیت میں تغییر خلق اللہ سے مراد

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس غرض کے لئے بنایا ہے، اُس کو اُس غرض اصلی سے پھیر کر کسی دوسری غرض کے لئے استعمال کیا جائے یا اس طور پر اس سے کام لیا جائے کہ غرض اصلی اس سے فوت ہو جائے۔ اس قاعدۂ کلیہ کے تحت ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ عورت اور مرد کے زوجی تعلق میں "خلق اللہ" یعنی اس تعلق کی فطری غرض کیا ہے اور ضبط ولادت سے تغییر خلق اللہ لازم آتی ہے یا نہیں۔ خود قرآن مجید اس سوال کے حل میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ عورت اور مرد کے زوجی تعلق کی دو غرضیں بتاتا ہے، ایک یہ کہ:-

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ (۲: ۲۸)

تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں پس تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں جاؤ اور اپنے لیے آئندہ کا بندوبست کرو۔

اور دوسری یہ ہے کہ:-

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (۳۰ : ۳)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی۔

پہلی آیت میں عورتوں کو "کھیتی" کہہ کر ایک حیاتی حقیقت (Biological fact) کا اظہار کیا گیا ہے۔ حیاتیات (Biology) کے نقطۂ نظر سے مرد کی حیثیت کاشتکار کی ہے اور عورت کی حیثیت کھیتی کی اور ان دونوں کے تعلق سے فطرت کی اولین غرض بقائے نوع ہے۔ اس غرض میں انسان اور حیوان اور نبات سب مشترک ہیں۔

دوسری آیت میں اس تعلق کی ایک اور غرض بھی بیان کی ہے اور وہ قیام تمدن

ہے جس کی بنیاد شوہر اور بیوی کے باہم مل کر رہنے سے پڑتی ہے۔ یہ غرض انسان کے لئے مخصوص ہے اور انسان کی مخصوص بناوٹ ہی میں ایسے داعیات پیدا کر دیے گئے ہیں جو اس غرض کے پورا کرنے کے لیے ابھارتے ہیں۔

خلق اللہ کی تشریح

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے کارخانے کو چلانے کے لیے منجملہ بہت سے انتظامات کے دو زبردست انتظام کئے ہیں۔ ایک تغذیہ دوسرے تولید۔ تغذیہ کا مقصد یہ ہے کہ جو انواع اس وقت موجود ہیں وہ ایک مدت معینہ تک زندہ رہ کر اس کارخانہ کو چلاتی رہیں۔ اس کے لیے رب العالمین نے غذا کا وافر سامان مہیا کیا۔ اجسام نامیہ (Organic bodies) میں غذا کو جذب کرنے اور اس کو اپنا جز بنانے کی قابلیت پیدا کی اور ان میں غذا کی طرف ایک طبیعی خواہش پیدا کر دی جو ان کو غذا حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تمام اجسام نامیہ (خواہ نباتات ہوں یا حیوانات یا انسان) ہلاک ہو جائیں اور اس کارخانہ عالم میں کوئی رونق باقی نہ رہے۔ لیکن فطرتِ الٰہیہ کے نزدیک اشخاص و افراد کے بقا کی بہ نسبت انواع و اجناس کا بقاء زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اشخاص کے لئے زندگی کی ایک بہت ہی قلیل مدت ہے اور اس کارخانہ کو چلانے کے لیے ضروری ہے کہ اشخاص کے مرنے سے پہلے دوسرے اشخاص ان کی جگہ لینے کے لیے پیدا ہو جائیں۔ اس دوسری اعلیٰ اور اشرف ضرورت کو پورا کرنے کے لیے فطرت نے تولید کا انتظام کیا ہے۔ انواع میں نر اور مادہ کی تقسیم، نر و مادہ کے اجسام کی جداگانہ ساخت، دونوں میں ایکدوسرے کی جانب میلان اور زوجی تعلق کے لیے دونوں میں ایک زبردست خواہش کا موجود ہونا، یہ سب کچھ اسی غرض کے لیے ہے کہ دونوں مل کر اپنی موت سے پہلے اپنے جیسے افراد اللہ تعالیٰ کے اس کارخانہ کو چلانے کے لیے پیدا کر دیں۔ اگر یہ غرض نہ ہوتی تو سرے سے نر و مادہ یا

مرد و عورت کی علیحدہ علیحدہ اصناف پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

پھر دیکھئے کہ جو انواع کثیر الاولاد ہوتی ہیں ان میں فطرت نے اولاد کی محبت کا کوئی خاص جذبہ پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی اور حفاظت کریں۔ اس لیے کہ یہ انواع محض اپنی کثرت تناسل کے بل پر قایم رہتی ہیں۔ لیکن جن انواع کی اولاد کم ہوتی ہے ان میں اولاد کی محبت پیدا کی گئی ہے اور ماں باپ کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ایک کافی عرصہ تک اپنی اولاد کی نگرانی و حفاظت کریں یہاں تک کہ وہ اپنی حفاظت کے قابل ہو جائیں۔ اس معاملہ میں انسان کا بچہ سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اور زیادہ مدت تک ماں باپ کی نگرانی کا محتاج رہتا ہے۔ دوسری طرف انواع حیوانی میں شہوت کا جذبہ یا تو موسمی ہوتا ہے، یا جبلی مطالبات کے تحت محدود ہوتا ہے۔ لیکن انسان میں یہ جذبہ نہ تو موسمی ہے اور نہ جبلت نے اس کو محدود کیا ہے۔ اس لیے نوع انسانی میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے ساتھ دائمی تعلق رکھنے پر مجبور ہیں۔ یہی دونوں چیزیں انسان کو مدنی الطبع بناتی ہیں۔ یہیں سے گھر کی بنیاد پڑتی ہے اور گھر سے خاندان اور خاندان سے قبیلے بنتے ہیں۔ اور آخر کار اسی بنیاد پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

اس کے بعد انسانی ساخت پر غور کیجئے حیاتیات کے مطالعہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے جسم کی بناوٹ میں شخصی مفاد پر نوعی مفاد کو ترجیح دی گئی ہے اور انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی ذات سے زیادہ اس کی نوع کے مفاد کے لئے ہے۔ انسان کے جسم میں اُس کے صنفی غدد (Sexual glands) سب سے زیادہ اہم خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ غدے ایک طرف انسان کے جسم کو وہ مادالحیات (Harmon) بہم پہنچاتے ہیں جو اس میں حسن و جمال، رونق و تازگی، ذہانت اور تیزی، توانائی اور قوت

عمل پیدا کرتا ہے، اور دوسری طرف یہی غدے انسان میں تولید کی قوت پیدا کرتے ہیں
جو عورت اور مرد کو تناسل کے لئے باہم ملنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس وقت انسان نوعی خدمت
کے لئے مستعد ہوتا ہے، وہی زمانہ اس کے شباب اور حُسن اور عمل کا بھی ہوتا ہے، اور جب
وہ نوعی خدمت کے قابل نہیں ہوتا تو وہی زمانہ اس کے ضعف اور بڑھاپے کا ہوتا ہے
زوجی فعلیت کا کمزور ہونا ہی دراصل آدمی کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اگر انسان کے
جسم سے اس کے صنفی غدود نکال دیے جائیں تو جس طرح وہ نوعی خدمت کے قابل
نہیں رہتا اسی طرح شخصی خدمت کے لیے بھی اس کی قابلیت بہت کم ہو جاتی ہے
اس لیے کہ ان غدوں کے بغیر اس کی دماغی اور جسمانی قوتیں نہایت کمزور ہوتی ہیں۔

عورت کے جسم میں نوعی مفاد کی خدمت کو مرد سے بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے
معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عورت کے جسم کی ساری مشین اسی لیے بنائی گئی ہے کہ وہ بقائے نوع
کی خدمت انجام دے۔ وہ جب اپنے شباب کو پہنچتی ہے تو ایام ماہواری کا دور شروع
ہو جاتا ہے جو ہر مہینے اس کو استقرارِ حمل کے لیے تیار کرتا رہتا ہے۔ پھر جب نطفہ قرار پاتا
ہے تو اس کے پورے نظامِ جسمانی میں ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ بچے کا مفاد اسکے
تمام جسم پر حکمرانی کرنے لگتا ہے۔ اس کی قوت کا صرف اتنا حصہ اس کے لیے چھوڑ دیا
جاتا ہے جتنا اس کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے، باقی ساری قوت بچے کے نشو ونما میں صرف
ہوتی ہے۔ یہی چیز ہے جو عورت کی فطرت میں محبت قربانی اور ایثار Altruism
پیدا کرتی ہے اور اسی لیے پدریت کا رابطہ اتنا گہرا نہیں ہے جتنا مادریت کا رابطہ ہے۔ وضع
حمل کے بعد عورت کے جسم میں ایک دوسرا انقلاب رونما ہوتا ہے جو اسے رضاعت کے
لیے تیار کرتا ہے۔ اس زمانہ میں غدد رضاعت ماں کے خون سے بہترین اجزا جذب

کرکے بچے کے لیے دودھ مہیا کرتے ہیں اور یہاں فطرت الٰہیہ پھر عورت کو نوعی مفاد کے لیے قربانی پر مجبور کرتی ہے۔ رضاعت کے بعد عورت کا جسم از سر نو ایک دوسرے استقرارِ حمل کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ اس نوعی خدمت کے لیے مستعد رہتی ہے جہاں اس کی یہ استعداد ختم ہوئی اور اس کا قدم موت کی طرف بڑھا سِنّ یاس شروع ہوتے ہی اس کا حُسن وجمال رخصت ہوجاتا ہے، اس کی شگفتگی، اس کی جولانیٔ طبع، اس کی جاذبیّت کافور ہوجاتی ہے، اور اس کے لیے جسمانی تکالیف اور نفسانی افسردگی کے ایک ایسے دور کا آغاز ہوتا ہے جو صرف موت ہی کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے بہترین زمانہ وہ ہے جب وہ نوع کی خدمت کے لیے جیتی ہے، اور جب وہ صرف اپنے لیے جیتی ہے تو بری طرح جیتی ہے[1]۔

اس بحث سے قرآن مجید کے اس ارشاد کی حقیقت اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان زوجی تعلق پیدا کرنے سے فطرت کا اصل مقصد بقائے نوع ہے اور اس کے ساتھ دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان عائلی زندگی (Family life) اختیار کرکے تمدن کی بنیاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے درمیان جو کشش رکھی ہے اور ان دونوں کے زوجی تعلق میں جو لذت پیدا کی ہے، وہ صرف اس لیے ہے کہ انسان اپنی طبیعی رغبت سے ان مقاصد کو پورا کرے۔ مگر جو شخص محض اس لذّت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور ان مقاصد کی خدمت بجالانے سے انکار کرتا ہے، وہ یقیناً خلق اللہ کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اِن اعضا اور ان قوتوں کو جو اللہ تعالےٰ نے

---

[1] اس موضوع پر ایک روسی مصنف (Anton Nemilov) نے ایک بہترین کتاب لکھی ہے جس کا نام (Biological Tragedy of Woman) ہے سنہ ۱۹۳۲ء میں اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے شایع ہوا ہے۔

بقائے نوع کے لیے عطا کیے ہیں اُنکی غرض اصلی کے خلاف محض اپنی نفسانی غرض کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو محض زبان کی لذت حاصل کرنے کے لیے عمدہ عمدہ غذاؤں کے نوالے منہ میں چبائے مگر حلق کے نیچے اتارنے کے بجائے ان کو تھوک دے۔ جس طرح ایسا شخص خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے اسی طرح وہ شخص جو زوجی تعلق سے محض لذت حاصل کرتا ہے اور بقائے نسل کے مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتا وہ نسل کُشی کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ وہ فطرت کے ساتھ دغابازی کر رہا ہے۔ فطرت نے اس فعل میں جو لذت رکھی ہے وہ دراصل معاوضہ ہے اس خدمت کا جو فطرت کے ایک مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ بجالاتا ہے۔ لیکن یہ شخص معاوضہ تو پورا لے لیتا ہے اور خدمت بجالانے سے انکار کر دیتا ہے۔ کیا یہ دغابازی نہیں؟

انفرادی نقصانات

آئیے اب ہم دیکھیں کہ جو شخص فطرت کے ساتھ یہ دغابازی کرتا ہے، کیا فطرت اس کو سزا دیے بغیر چھوڑ دیتی ہے یا اس کی کچھ سزا بھی دیتی ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ اس کی سزا ضرور دی جاتی ہے اور وہ سزا یہ ہے کہ ایسا شخص خود ہی اپنے آپ کو نقصان میں مبتلا کرتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (۶: ۱۶)	وہ لوگ ٹوٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے قتل کیا اور اس نعمت کو جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی اللہ پر افترا باندھ کر اپنے اوپر حرام کر لیا۔

اس آیت میں قتل اولاد کے ساتھ نعمت تناسل کو اپنے لیے حرام کر لینے (یعنی ضبط ولادت) کا نتیجہ بھی خسران بتایا گیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ یہ خسران کن کن صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

[1] قدیم مفسرین نے حرموا ما رزقہم اللہ سے مراد صرف حلال غذاؤں کی تحریم لے لی ہے اسلیے کہ ان کے زمانے میں ضبط ولادت کی تحریک کا کوئی وجود ہی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کا علم اُن تمام چیزوں پر حاوی ہے جو ہو چکی ہیں اور ہونے والی ہیں، ایسے وسیع الفاظ استعمال کیے ہیں جو صرف حلال غذاؤں کی تحریم ہی کو نہیں بلکہ ہر اس نعمت کی تحریم کو شامل ہیں جو اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے اور چونکہ یہاں قتل اولاد کے بعد ہی تحریم رزق کا ذکر کیا گیا ہے اسلئے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگ ٹوٹے میں ہیں جو اولاد کو پیدا ہونے کے بعد قتل کر دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی ٹوٹے میں ہیں جو اولاد کی پیدائش ہی کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔

جسم و نفس کا نقصان توالد و تناسل کا معاملہ چونکہ براہ راست انسان کے جسم اور نفس سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے ہم کو سب سے پہلے ضبطِ ولادت کے ان اثرات کی تحقیق کرنی چاہیے جو انسان کے نفس اور جسم پر مترتب ہوتے ہیں۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انواع میں نر و مادہ کی دو الگ الگ صنفیں بنانے سے فطرت کا اصل مقصد ہی توالد و تناسل اور بقائے انواع ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نر و مادہ کی عین فطرت اس کا اقتضاء کرتی ہے کہ وہ اولاد پیدا کریں، اور خصوصاً نوع انسانی میں عورت کے اندر طبعًا اولاد کی خواہش اور محبت کا ایک زبردست داعیہ پیدا کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے جسم میں اس کے صنفی غدد کا کتنا قوی اور گہرا اثر ہے اور کس طرح یہ غدے انسان کو نوع کی خدمت پر ابھارنے اور اس میں حسن، توانائی، عملی سرگرمی اور ذہنی قوت پیدا کرنے کے دوہرے فرائض انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً عورت کے متعلق آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے جسم کی پوری مشین ہی خدمت بقائے نوع کے لیے مناسب بنائی گئی ہے اور اسکی تخلیق کا اہم ترین مقصد یہی ہے، اور اس لیے اس کی عین فطرت اس سے اس خدمت کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان سب امور کو پیش نظر رکھ کر آپ کی عقل خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہے کہ جب انسان زوجی تعلق سے محض لذت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اُس مقصد کو پورا کرنے سے انکار کردیگا جس کی طلب اس کے جسم کے ریشہ ریشہ میں اس قدر گہرائی کے ساتھ پیوست کر دی گئی ہے تو ممکن نہیں کہ اس کے نظامِ عصبی اور اس کے صنفی غدد کی فعلیت پر اس حرکت کے بُرے اثرات مترتب نہ ہوں اور ان اثرات سے ان کا نفس محفوظ رہ سکے۔

تجربہ اس عقلی نتیجہ کی تائید کرتا ہے۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں برطانیہ عظمیٰ کے نیشنل برتھ ریٹ کمیشن

نے ضبط ولادت کے مسئلہ پر طبی نقطۂ نظر سے جو رپورٹ شایع کی تھی اس میں لکھا ہے :۔

"مانع حمل وسائل کے استعمال سے مردوں کے نظام جسمانی میں برہمی پیدا ہو سکتی ہے ۔ عارضی طور پر ان میں مردانہ کمزوری یا نامردی بھی پیدا ہو سکتی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ ان وسائل کا کوئی زیادہ بُرا اثر مرد کی صحت پر نہیں پڑتا ۔ البتہ اس بات کا ہمیشہ خطرہ ہے کہ مانع حمل وسائل کے استعمال سے جب مرد کو زوجی تعلق میں اپنی خواہشات کی پوری تسکین حاصل نہ ہو گی تو اس کی عائلی زندگی کی مسرتیں غارت ہو جائیں گی اور وہ دوسرے ذرائع سے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی صحت کو برباد کر دیں گے اور ممکن ہے کہ اسے امراض خبیثہ میں مبتلا کر دیں "

عورتوں کے متعلق کمیشن نے یہ رائے ظاہر کی کہ :۔

"جہاں طبی لحاظ سے منع حمل ناگزیر ہو، جہاں بچوں کی پیدائش حد سے زیادہ ہو، وہاں تو منع حمل کی تدابیر عورت کی صحت پر بلاشبہ اچھا اثر ڈالتی ہیں ۔ لیکن جہاں ان میں سے کوئی ضرورت داعی نہ ہو، وہاں منع حمل کی تدابیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کے نظام عصبی میں سخت برہمی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اس میں بدمزاجی اور چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے ۔ جب اس کے جذبات کی تسکین نہیں ہوتی تو شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں ۔ خصوصیت کے ساتھ یہ نتائج اُن لوگوں میں زیادہ نمایاں دیکھے گئے ہیں جو عزل (Coitus interruptus) کا طریقہ اختیار کرتے ہیں "

ڈاکٹر میری شارلیب (Dr. Mary scharlieb) اپنے چہل سالہ تجربات کے نتائج ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں ۔

"ضبط ولادت کے طریقے خواہ وہ فرزجے (Pessaries) ہوں یا جراثیم کش دوائیں یا ربڑ کی ٹوپیاں اور لفافے یا دوسرے طریقے، بہرحال ان کے استعمال سے کوئی فوری نمایاں نقصان تو نہیں ہوتا لیکن ایک عرصہ تک ان کو استعمال کرتے رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھیڑ عمر تک پہنچتے پہنچتے عورت میں عصبی ناہمواری (Nervous instability) پیدا ہو جاتی ہے ۔ پژمردگی، شگفتگی کا فقدان، افسردہ دلی، طبیعت کا چڑچڑا پن اور اشتعال پذیری، غمگین خیالات کا ہجوم، بے خوابی، پریشان خیالی، دل و دماغ کی کمزوری، دوران خون کی کمی، ہاتھ پاؤں کا سُن ہو جانا، جسم میں کہیں کہیں ٹیسیں اُٹھنا، ایام ماہواری کی بے قاعدگی، یہ ان طریقوں کے لازمی اثرات ہیں۔"

بعض دوسرے ڈاکٹروں نے بیان کیا ہے کہ اعوجاج رحم (Falling of the womb) حافظہ کی خرابی اور بسا اوقات مراق، خفقان اور جُنون جیسے عوارض بھی ان طریقوں کے استعمال سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ زیادہ عرصہ تک جس عورت کے ہاں بچہ نہیں ہوتا اس کے اعضاء تناسل میں ایسے تغیرات واقع ہوتے ہیں جن سے اسکی قابلیت تولید متاثر ہو جاتی ہے اور اگر کبھی وہ حاملہ ہو تو اس کو زمانۂ حمل اور وضع حمل میں سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے[1] ۔

---

[1] ڈاکٹر آرنلڈ لوراند (Lurand) نے اپنی کتاب (Life shortening Habits and Rejuvination) میں تدابیر منع حمل کے مضر اثرات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۲۲ء میں فلیڈلفیا سے شائع ہوئی ہے ۔

پروفیسر لینارڈ ھل ایم بی اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:۔

"بلوغ کے وقت عورت کے جسم میں جتنے تغیرات ہوتے ہیں سب تناسل کے مقصد ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ ایام ماہواری کے دَورے اسی غرض کے لیے ہوتے ہیں کہ بار بار عورت کو استقرار حمل کے لیے تیار کریں۔ ایک ناکتخدا عورت یا ایسی عورت میں جو اپنے آپ کو استقرار حمل سے روکتی ہے' ایام کا ہر دورہ ان تمام اعضاء کی ناامیدی کے ساتھ ختم ہوتا ہے جو اس دورہ میں حمل کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ اس اقتضائے طبیعی کے پورا نہ ہونے اور تناسلی اعضاء کے معطل رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تناسلی اعضاء کی فعلیت میں برہمی و بدنظمی پیدا ہو، ایام ماہواری تکلیف اور بے قاعدگی کے ساتھ آنے لگیں، چھاتیاں ڈھلک جائیں، چہرے کی رونق اور خوبصورتی رخصت ہو جائے اور مزاج میں اشتعال پذیری، یا افسردگی پیدا ہو جائے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی میں اس کے صنفی غدد کا بڑا اثر ہے۔ جو غدّے زوجی قوّت پیدا کرتے ہیں، وُہی انسان میں توانائی، حُسن، اور چستی بھی پیدا کرتے ہیں۔ انہی سے انسان میں کیریکٹر کی بہت سی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔ زمانۂ بلوغ کے قریب جب ان غدّوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے تو جس طرح انسان میں تناسل کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس میں خوبصورتی، شگفتگی، ذہنی قوت، جسمانی طاقت' جوانی اور عملی سرگرمی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان غدّوں کے فطری مقصد کو پورا نہ کیا جائیگا تو یہ اپنے ضمنی فعل یعنی تقویت کو بھی چھوڑ دیں گے خصوصاً

عورت کو استقرارِ حمل سے روکنا دراصل اس کی پوری مشین کو معطّل اور بے مقصد بنانا ہے۔"

ان مضرتوں کے علاوہ ایک بڑی مضرت یہ بھی ہے کہ ضبط ولادت کے طریقے استعمال کر کے جب استقرارِ حمل کی طرف سے بے فکری ہو جاتی ہے تو شہوانی جذبات قابو میں نہیں رہتے۔ عورت پر مرد کے شہوانی مطالبات حدِ اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور زوجین کے درمیان ایک خالص بہیمی تعلق باقی رہ جاتا ہے جس میں تمام تر شہوانی میلانات ہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ چیز صحت اور اخلاق دونوں کے لیے غایت درجہ نقصان دہ ہے۔ ڈاکٹر فورسٹر لکھتا ہے:۔

"مرد کی زوجیت کا رخ اگر کلیۃً خواہشاتِ نفس کی بندگی کی طرف پھر جائے اور اس کو قابو میں رکھنے کے لیے کوئی قوت ضابطہ نہ رہے تو اس سے جو حالت پیدا ہو گی وہ اپنی نجاست و دنائت اور زہریلے نتائج میں ہر اس نقصان سے کہیں زیادہ ہو گی جو بے حد و حساب بچے پیدا کرنے سے رونما ہو سکتی ہے"۔

۲۔ معاشرتی نقصان عائلی زندگی میں ضبط ولادت کے جو مضر اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف اوپر ضمناً اشارہ کیا جا چکا ہے۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات پر اس کا پہلا اور فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ جب دونوں کے داعیاتِ فطرت کی تکمیل نہیں ہوتی تو ایک غیر محسوس طریقہ پر دونوں میں ایک طرح کی اجنبیت پیدا ہونے لگتی ہے جو بعد میں مودت و رحمت کی کمی، سرد مہری اور آخر کار نفرت و بیزاری تک پہنچ جاتی ہے۔ خصوصاً عورت میں ان طریقوں کی مداومت سے جو عصبی ہیجان،

اور چڑچڑا پن پیدا ہوتا ہے وہ خانگی زندگی کی ساری مسرتوں کو غارت کر دیتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ ایک اور بڑا نقصان بھی ہے جو مادی اسباب سے زیادہ روحانی اسباب کی بدولت رونما ہوتا ہے جسمانی حیثیت سے تو عورت اور مرد کا تعلق محض ایک بہیمی تعلق ہے جیسا جانوروں میں ہوتا ہے۔ مگر جو چیز اس تعلق کو ایک اعلیٰ درجہ کا روحانی تعلق بناتی ہے اور اس کو مودت و رحمت کے ایک گہرے رابطہ میں تبدیل کر دیتی ہے وہ اولاد کی تربیت میں دونوں کی شرکت اور امداد باہمی ہے۔ ضبطِ ولادت اس مضبوط روحانی رابطہ کو وجود میں آنے سے روکتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی گہرا اور مستحکم تعلق پیدا نہیں ہوتا اور ان کے تعلقات بہیمیت کے درجہ سے آگے بڑھنے نہیں پاتے۔ بہیمیت کے تعلق میں ہر مرد و عورت کے لیے ہر مرد و عورت یکساں ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک جوڑا ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا ہو کر رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں زوجی تعلقات نہایت ضعیف ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ضبط ولادت کی تحریک کے ساتھ ساتھ طلاق کا رواج اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے کہ درحقیقت وہاں عائلی زندگی اور خاندانی نظام کا سارا تار و پود بکھرتا نظر آتا ہے۔

۲۔ اخلاقی نقصان اخلاق پر ضبط ولادت کے مضر اثرات متعدد وجوہ سے رونما ہوتے ہیں:۔

(۱) عورت اور مرد کو زنا کا لائسنس مل جاتا ہے۔ حرامی اولاد کی پیدائش سے سیرت پر بدنامی و ذلت کا بدنما داغ لگ جانے کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ اسلیئے ناجائز تعلقات پیدا کرنے میں دونوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

(۲) لذت پرستی اور بندگی نفس حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس سے ایک عام اخلاقی انحطاط، وبائی مرض کی طرح پھیل جاتا ہے۔

(۳) جن زوجین کے ہاں اولاد نہیں ہوتی ان میں بہت سے وہ اخلاقی خصائص پیدا ہی نہیں ہوتے جو صرف تربیت اطفال ہی سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ماں باپ بچوں کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح ننھے بچے بھی ماں باپ کی تربیت کرتے ہیں۔ بچوں کی پرورش سے ماں باپ میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ عاقبت اندیشی اور ضبط نفس کی مشق بہم پہنچاتے ہیں۔ سادہ معاشرت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور محض اپنی ذاتی آسایش کے پیچھے اندھے نہیں ہوسکتے۔

ضبطِ ولادت اِن تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ توالد و تناسل کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنی صفت تخلیق و ربوبیت کا ایک حصہ انسان کو عطا کرتا ہے اور اس طرح یہ انسان کے لیے متخلق باخلاق اللہ ہونے کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔ ضبط ولادت پر عمل کرنے سے انسان اس بڑی نعمت کو کھو دیتا ہے۔

(۴) ضبط ولادت سے بچوں کی اخلاقی تربیت نامکمل رہ جاتی ہے۔ جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائی بہنوں کے ساتھ رہنے، سہنے، کھیلنے، کودنے، اور معاملت کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلےٰ اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔ بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر ملنساری، محبت، ایثار، تعاون، رفاقت اور ایسے ہی بہت سے اوصاف پیدا کرتا ہے اور وہ ایکدوسرے

پر نکتہ چینی کر کے خود ہی اپنے بہت سے اخلاقی عیوب کو دور کر لیتے ہیں۔ جو لوگ ضبطِ ولادت پر عمل کر کے اپنی اولاد کو صرف ایک بچے تک محدود کر لیتے ہیں یا دو بچے اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ در اصل اپنی اولاد کو ایک بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

نسلی و قومی نقصانات

یہ تو وہ نقصانات تھے جو محض افراد کو ان کی انفرادی حیثیت میں اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اب دیکھیے کہ اس تحریک کے رواج عام سے نسلوں اور قوموں کو بحیثیت مجموعی کس قدر شدید نقصان پہنچتا ہے۔

۱۔ قحط الرجال تخلیق انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو زبردست انتظام کیا ہے اس میں خود انسان کا حصہ صرف اس قدر ہے کہ مرد اپنا نطفہ عورت کے جسم میں پہنچا دے۔ اس کے بعد کوئی چیز انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اور اس کے ارادے پر منحصر ہے۔ ہر مرتبہ جب مرد عورت سے ملتا ہے تو مرد کے جسم سے کروڑوں جراثیم حیات، عورت کے جسم میں داخل ہوتے ہیں اور عورت کے جسم سے لاکھوں بیضی خلایا (Egg cells) نکل کر ان جراثیم سے ملنے کے لیے بڑھتے ہیں۔ ان جراثیم اور ان خلایا میں سے ہر ایک جداگانہ نسلی اور شخصی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ انہی میں کند ذہن اور احمق بھی ہوتے ہیں اور عقلاء و حکماء بھی۔ ان میں ارسطو اور ابن سینا بھی ہوتے ہیں۔ چنگیز اور نپولین بھی ہوتے ہیں۔ شیکسپیر اور حافظ بھی ہوتے ہیں۔ میر جعفر اور میر صادق بھی ہوتے ہیں۔ یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ کسی خصوصیت کے جرثومہ کو کسی ایک خصوصیت رکھنے والے بیضی خلیہ سے ملا کر اپنے انتخاب سے ایک خاص قسم کا انسان پیدا کر دے۔ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کام کرتا ہے اور وُہی

فیصلہ کرتا ہے کہ کس وقت کس قوم میں کس قسم کے آدمی بھیجے۔ انسان جو اپنے عمل کے نتائج سے بالکل بے خبر ہے اگر اللہ تعالٰے کے اس انتظام میں دخل دے گا تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اندھیرے میں لکڑی گھمائے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسکی لکڑی کسی سانپ یا بچھو کو مارے گی، یا کسی انسان کا سر پھوڑے گی، یا کسی قیمتی شئے کو توڑ پھینکے گی۔ بہت ممکن ہے کہ ضبط ولادت پر عمل کرنے والا انسان اپنی قوم میں ایک بہترین جنرل یا مدبّر یا حکیم کی پیدایش کو روک دینے کا سبب بن جائے اور اپنی حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کے فعل میں دخل دینے کی سزا اس کو اس صورت میں ملے کہ اس کی نسل میں احمق یا بے ایمان اور غدار پیدا ہوں۔ خصوصًا جس قوم میں یہ مداخلت عام ہو جائے وہ تو بالیقین اپنے آپ کو قحط الرجال کے خطرے میں مبتلا کرتی ہے۔

۲۔ شخصی اغراض پر قوم کی قربانی ضبط ولادت کی عام تحریک میں ہر شخص اپنے ذاتی حالات اور خواہشات و ضروریات پر نظر رکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ کتنی اولاد پیدا کرے، بلکہ سرے سے پیدا کرے بھی یا نہیں۔ اس فیصلہ میں اس کے پیش نظر یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ قوم کو اپنی آبادی برقرار رکھنے کے لیے کم از کم کتنے بچوں کی ضرورت ہے۔ اشخاص نہ اس کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ شخصی ضروریات کے سامنے وہ قومی ضرورت کا لحاظ کرنے پر قادر ہیں۔ اس طرح جدید نسل کی پیدایش سراسر افراد قوم کی خود غرضی پر منحصر ہو جاتی ہے اور شرح پیدایش اس طور پر گھٹتی چلی جاتی ہے کہ اس کو کسی حد پر روکنا قوم کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر افراد میں خود غرضی بڑھتی رہے اور وہ خراب حالات جو اُن کو ضبطِ ولادت پر ابھارتے ہیں خراب تر ہوتے رہیں تو یقینًا ایسے افراد اپنی اغراض پر قوم کی زندگی کو قربان کر دیں گے حتیٰ کہ ایک روز قوم کا خاتمہ

ہی ہو جائے گا

۳- قومی خودکشی ضبطِ ولادت کی عام تحریک سے جس قوم کی آبادی گھٹنے لگتی ہے وہ ہر وقت تباہی کے سرے پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی عام وبا پھیل جائے یا کوئی بڑی جنگ چھڑ جائے جس میں کثرت سے آدمی مرنے لگیں تو ایسی قوم میں دفعتہً آدمیوں کا کال رونما ہو جائے گا اور وہ کسی ذریعہ سے بھی اتنے آدمی فراہم نہ کر سکے گی جو مرنے والوں کی جگہ لے سکیں۔ یہی چیز اب سے دو ہزار سال پہلے یونان کو تباہ کر چکی ہے۔ یونان میں اسقاطِ حمل اور قتلِ اولاد کا رواج پڑ گیا تھا جس سے آبادی گھٹتی چلی جا رہی تھی۔ اسی زمانہ میں خانہ جنگیاں برپا ہوئیں جنھوں نے قوم کے بکثرت افراد کو ہلاک کر دیا۔ اس دوہرے نقصان نے یونانی قوم کا ایسا زور توڑا کہ پھر وہ نہ سنبھل سکی اور آخرکار اپنے گھر میں دوسروں کی غلام بن کر رہی۔ ٹھیک ٹھیک اسی خطرہ میں آج مغربی ممالک اپنے آپ کو مبتلا کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہو کہ ان سے خودکشی کرائے مگر ہم کیوں ان کی اندھی تقلید کر کے اپنی شامت کو اپنے ہاتھوں دعوت دیں؟

۴- معاشی نقصان تجربہ اور تحقیق سے یہ خیال غلط ثابت ہو چکا ہے کہ ضبطِ ولادت معاشی حیثیت سے مفید ہے۔ اب معاشیات کے ماہرین میں یہ خیال روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے کہ آبادی کی تقلیل معاشی انحطاط (Economic depression) کے نہایت قوی اسباب میں سے ہے اس لیے کہ شرحِ پیدائش کے گھٹنے سے پیداآور آبادی (Producing population) کے مقابلہ میں خرچ کرنے والی آبادی (Consuming population) کم ہو جاتی ہے اور اس کا لازمی

نتیجہ یہ ہے کہ پیداآور آبادی میں بیکاری بڑھتی چلی جائے۔ پیدآور آبادی صرف جوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ برعکس اس کے خرچ کرنے والی آبادی میں بوڑھے بچے معذورین بھی شامل ہوتے ہیں جن کا پیدآوری میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اگر ان کی تعداد گھٹ جائے تو مجموعی طور پر خرچ کرنے والوں میں بھی کمی واقع ہوگی۔ مال کے خریدار کم ہوجائیں گے تو اسی نسبت سے مال تیار کرنے والوں کو کام کم ملے گا۔ اسی وجہ سے جرمنی اور اٹلی کے ماہرین معاشیات خاص طور پر توفیر آبادی کے لئے زور دے رہے ہیں۔

ضبط ولادت کی یہ تفصیل جو سراسر حقائق پر مشتمل ہے، اُس آیت پاک کی ایک جزئی تفسیر ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "وہ لوگ ٹوٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے ہلاک کردیا اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو حرام کرلیا"۔ نیز اُس آیت کا مفہوم بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ	اور جب وہ صاحب اختیار ہوا تو اس نے زمین میں فساد
فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (۲: ۲۵)	پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرنے کی تدبیریں کیں۔

مباحث مذکورۂ بالا کو پیش نظر رکھ کر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حرث اور نسل کی بربادی کو فساد فی الارض سے کیوں تعبیر فرمایا ہے۔ پھر اس بحث سے آپ اس آیت کا مفہوم بھی خوب سمجھ سکتے ہیں جس میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ	اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ	ان کو رزق دینے والے بھی ہم ہی ہیں۔ اور تم کو بھی۔
كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ (۱۷: ۴)	انہیں قتل کرنا ایک بڑی خطا ہے۔

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ معاشی مشکلات کے خوف سے اولاد کی تعداد گھٹانا

محض ایک حماقت ہے ۔

اس کے بعد ہم کو ان دلائل سے بحث کرنی ہے جو ضبط ولادت کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی ضمن میں ہم اُن احادیث کی صحیح تفسیر بھی بیان کریں گے جن سے ضبط ولادت کی موافقت میں استدلال کیا جاسکتا ہے ۔

ضبطِ ولادت کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر اُن حالات پر مبنی ہیں جو مغربی تہذیب وتمدن نے پیدا کئے ہیں ۔حامیانِ ضبط ولادت کا طریق فکر یہ ہے کہ تمدن و معاشرت کے یہ اطوار، اور تہذیب کے یہ طریقے، اور معیشت کے یہ اُصول تو ناقابل تغیر ہیں، البتہ ان سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں ان کو ضرور حل کرنا چاہیے، اور ان کا آسان حل یہی ہے کہ افزائش نسل کو روک دیا جائے ۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ تم تمدّن وتہذیب کے اسلامی اصُول اور معیشت و معاشرت کے اسلامی قوانین اختیار کرکے ان مشکلات ہی کو پیش آنے سے روک دو جنہیں حل کرنے کے لیے تم کو قوانینِ فطرت کے خلاف جنگ کرنی پڑتی ہے ۔

اس مسئلہ پر گذشتہ صفحات میں کافی بحث کی جاچکی ہے۔ لہذا اب ہم صرف ان دلائل سے بحث کریں گے جو مخصوص حالات پر نہیں بلکہ عام انسانی حالات پر نظر کرکے حامیان ضبط ولادت نے اپنی کتابوں اور تقریروں میں بیان کیے ہیں ۔

حامیانِ ضبطِ ولادت کے دلائل

وسائلِ معاش کی قلت کا خطرہ

سب سے بڑی دلیل جس نے لوگوں کو زیادہ دھوکے میں ڈالا ہے یہ ہے کہ "زمین میں قابلِ سکونت جگہ محدود ہے۔ انسان کے لیے وسائلِ معاش بھی محدود ہیں۔ لیکن انسانی نسلوں میں افزائش کی قابلیت غیر محدود ہے۔ زمین میں ایک اچھے معیارِ زندگی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ملین آدمی سما سکتے ہیں۔ اس وقت زمین کی آبادی دو ہزار ملین تک پہنچ چکی ہے اور اگر حالات مناسب ہوں تو ۳۰ سال کے اندر یہ آبادی دگنی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ اندیشہ بالکل بجا ہے کہ ۵۰ سال کے اندر زمین آدمیوں سے بھر جائے گی اور اس کے بعد نسلوں میں جو اضافہ ہوگا وہ اولادِ آدم کے معیارِ زندگی کو گراتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ ان کے لیے پچھلے آدمیوں کی طرح زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ پس انسانیت کو اس خطرہ سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ تحدیدِ نسل (Birth limitation) کے طریقے اختیار کر کے نسلوں کی افزایش کو ایک حدِ مناسب کے اندر محدود کر دیا جائے۔

یہ دراصل خدا کے انتظام پر نکتہ چینی ہے۔ جس بات کو یہ لوگ خود حساب لگا کر اس قدر آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ خدا اس سے بے خبر ہے، وہ نہیں جانتا کہ زمین میں کس قدر گنجایش ہے اور انسان کس حد تک اس میں سما سکتے ہیں۔ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ ان نادانوں کو معلوم

نہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ۔ اس کے خزانوں سے جو چیز بھی صادر ہوتی ہے ایک جچے تلے اندازے پر ہوتی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ ان کا گمان خواہ کچھ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ جس ہستی نے اس عالم کو پیدا کیا ہے وہ تخلیق و آفرینش کے فن میں اناڑی نہیں ہے وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ۔ اگر یہ اس کے کاموں کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتے اور اس کے انتظام پر غور کرتے تو ان پر خود ہی روشن ہو جاتا کہ وہ اپنے حساب اور اندازے میں ان سے زیادہ کامل ہے۔ اس نے اسی محدود رقبہ زمین پر اپنی مخلوق کی بیشمار انواع پیدا کی ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر توالد و تناسل کی ایسی زبردست قوت ہے کہ اگر صرف ایک ہی نوع، بلکہ بعض انواع کے صرف ایک جوڑے کی نسل کو وہ پوری قوت کے ساتھ بڑھنے دے تو ایک قلیل مدت میں تمام روئے زمین صرف اسی نسل سے پٹ جائے، اور کسی کو دوسری نسل کے لیے ذرہ برابر جگہ باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر نباتات کی ایک قسم ہے جس کو نباتیات میں (Sisymbrium Sophia) کہتے ہیں۔ اس نوع کے ہر فرد میں عموماً ساڑھے سات لاکھ بیج ہوتے ہیں۔ اگر اس کے صرف ایک پودے کے سب بیج زمین میں اُگ جائیں اور تین سال تک اس کی نسل بڑھتی رہے تو زمین میں دوسری چیزوں کے لیے ایک چپہ بھی باقی نہ رہے۔ ایک قسم کی مچھلی (Star fish) ۲۰ کروڑ انڈے دیتی ہے۔ اگر اس کے صرف ایک فرد کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو تیسری چوتھی پشت تک پہنچتے پہنچتے تمام دنیا کے سمندر اسی سے لبالب بھر جائیں اور ان میں پانی کے ایک قطرے

کی بھی گنجایش نہ رہے۔ دور کیوں جائیے۔ خود انسان ہی کی قوت تناسل کو دیکھ لیجئے
ایک مرد کے جسم سے ایک وقت میں جو مادّہ خارج ہوتا ہے اس سے تمام دنیا کی
بالغ عورتیں حاملہ ہوسکتی ہیں۔ اگر صرف ایک ہی مرد کی پوری استعداد تناسل کو قوت
سے فعل میں آنے کا موقع مل جائے تو چند سال میں ساری زمین اس کی اولاد سے
کھچا کھچ بھر جائے۔ مگر وہ کون ہے جو ہزاروں لاکھوں سال سے کرّۂ زمین پر ان
بے شمار انواع کو اس زبردست قوّت تناسل کے ساتھ پیدا کر رہا ہے اور کسی نوع
کو اس کی مقرر و مقدّر حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتا؟ کیا وہ تمہاری سائنٹیفک تدبیریں
ہیں یا خدا کی حکمت؟ خود تمہارے اپنے سائنٹیفک مشاہدات گواہ ہیں کہ مادّۂ ذی
حیات میں نشو ونما کی قوت بے اندازہ ہے۔ حتیٰ کہ ایک واحد الخلیہ جرم نامی
(Unicellular organism) میں نمو کی اتنی قوت ہوتی ہے کہ اگر اس کو پیہم
غذا ملتی رہے اور تقسیم در تقسیم کا موقع مل جائے تو پانچ سال کے اندر وہ اتنا ذی
حیات مادہ پیدا کر سکتا ہے جو زمین کی جسامت سے دس ہزار گنا زیادہ ہوگا۔
مگر وہ کون ہے جس نے قوت حیات کے اس خزانے پر کنٹرولر مقرر کر رکھے ہیں؟
وہ کون ہے جو اس خزانے میں سے قسم قسم کی مخلوقات نکال رہا ہے اور ایسے
ٹھیک حساب کے ساتھ نکال رہا ہے کہ اس میں نہ کبھی افراط ہوتی ہے نہ تفریط؟

اگر انسان اپنے خالق کی ان نشانیوں پر غور کرے تو وہ کبھی اس کے انتظام
میں دخل دینے کی جرأت نہ کرے۔ یہ سب جاہلانہ اوہام ہیں جو محض اس وجہ سے
پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ آفاق اور خود اپنے انفس میں اپنے رب کی آیات کو نہیں
دیکھتے۔ ان کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ انسانی سعی وعمل کی حد کہاں تک ہے

اور کس حد پر پہنچ کر خالص خدائی انتظامات شروع ہو جاتے ہیں جن میں دخل دینا تو درکنار سمجھنے پر بھی انسان قادر نہیں ہے۔ جب انسان اپنی حد جائز سے بڑھ کر خدا کے حدود انتظام میں دخل دینے کی کوشش کرتا ہے تو خدا کے انتظامات میں تو ذرہ برابر بھی خلل انداز نہیں ہو سکتا، البتہ خود اپنے لیے دماغی کاوشیں اور ذہنی الجھنیں ضرور پیدا کر لیتا ہے۔ وہ بیٹھ کر حساب لگاتا ہے کہ دس سال کے اندر ہندوستان کی آبادی ساڑھے تین کروڑ بڑھ گئی۔ آئندہ دس سال میں چار کروڑ اور بڑھ جائے گی۔ ۲۰ سال میں ۳۴ کروڑ ہو جائے گی۔ ۴۹ سال میں دگنی ہو جائے گی۔ پھر سوچتا ہے کہ اتنے آدمی آخر کہاں سمائیں گے؟ کیا کھائیں گے؟ کیونکر جئیں گے؟ اسی فکر میں وہ الجھتا ہے۔ مضامین لکھتا ہے۔ تقریریں کرتا ہے۔ کمیٹیاں بناتا ہے۔ کونسل میں عقلاء قوم کو اس مسئلے کا حل دریافت کرنے کے لیے توجہ دلاتا ہے۔ مگر وہ بندۂ خدا نہیں سوچتا کہ جس خدا نے ہزارہا سال سے انسانوں کی بستی اس برّ اعظم میں بسا رکھی ہے وہ خود اس مسئلہ کو حل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا، اور جب وہ انہیں ہلاک کرنا چاہے گا تو ہلاک بھی کر دے گا۔ آبادیوں کی پیدائش اور ان کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور ان کے لیے زمین میں گنجائش نکالنے کا انتظام اسی سے تعلق رکھتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱۱ : ۱)	زمین میں چلنے پھرنے والی کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے رزق کا انتظام خدا کے ذمہ نہ ہو۔ اور وہی زمین میں ان کے ٹھکانے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب روشن میں لکھا ہوا موجود ہے۔

یہ انتظام ہماری عقل و نظر کی رسائی سے بہت دور کسی پوشیدہ مقام سے ہو رہا

ہے۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ سے انیسویں صدی کے وسط تک انگلستان کی آبادی میں جس تیز رفتاری کے ساتھ اضافہ ہوا اس کو دیکھ کر عقلائے فرنگ ابتدا میں حیران تھے کہ یہ بڑھتی ہوئی آبادی کہاں سمائے گی اور کیا کھائے گی۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ انگلستان کی آبادی جس رفتار سے بڑھی، اس سے بدرجہا تیز رفتاری سے اس کے وسائل رزق بڑھے اور انگریزی قوم کو پھیلنے کے لیے زمین کے بڑے بڑے رقبے ملتے چلے گئے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ اضافۂ آبادی کے ساتھ ساتھ وسائل رزق میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کے درمیان اضافۂ آبادی کا اوسط ۱۰½ فیصدی رہا۔ لیکن زرعی پیداوار میں ۱۵ فی صدی اور صنعتی پیداوار میں ۱۵ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ گذشتہ ۳۰ سال کے اندر اس ملک کی آبادی تو صرف ۱۳½ فی صدی زیادہ ہوئی ہے مگر اس کی زرعی پیداوار میں ۲۹ فی صدی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ظاہر میں ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں موجودہ آبادی سے دوگنی زیادہ آبادی کے لیے وسائل رزق موجود ہیں۔ یہاں کی زمین کا ۶۵ فیصدی حصہ قابل زراعت ہے۔ جس میں سے ابھی تک ۳۵ فی صدی حصّہ زیر کاشت آیا ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی ثروت کے بہت سے خزانے یہاں موجود ہیں جن سے ابھی کام لینا باقی ہے۔ صنعت اور تجارت کے میدان میں ابھی تک ہندوستان نے اتنا کام بھی نہیں کیا ہے جتنا دوسرے ممالک کر چکے ہیں اور ترقی کے جو امکانات ابھی پوشیدہ ہیں ان کا تو ہم کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ ان سب باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود اگر کوئی شخص اس فکر میں غلطاں ہو کہ یہ روز افزوں آبادی کہاں رہے گی اور

کیا کھائے گی، تو یہ اس کی اپنی حماقت ہے۔ اس کا کام صرف انسانی دائرہ عمل میں رہ کر سوچنا اور عمل کرنا ہے۔ اس دائرہ سے نکل کر وہ خالص خدائی انتظامات کے دائرہ میں قدم رکھنے کی کوشش کرے گا تو اپنے لیے ایسی مشکلات پیدا کریگا جن کا درحقیقت کوئی حل اس کے پاس نہیں ہے۔

موت کا بدل حامیانِ ضبط ولادت تسلیم کرتے ہیں کہ انواع کی تعداد کو ایک حدِّ مناسب کے اندر محدود رکھنے کا انتظام خود فطرت نے کیا ہے اور یہ انتظام نوعِ انسانی پر بھی حاوی ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ فطرت اس کام کو موت کے ذریعہ سے انجام دیتی ہے جس میں انسان کے لیے سخت روحانی اور جسمانی اذیتیں ہیں۔ کیوں نہ ہم اس کے بجائے خود اپنی احتیاطی تدبیروں سے اپنی آبادیوں کو محدود رکھنے کا انتظام کرلیں؟ زندہ انسانوں کے لقمۂ اجل ہونے، طرح طرح کی تکلیفوں سے جان دینے، اور پسماندوں کے تڑپ تڑپ کر رہ جانے سے تو بدرجہا بہتر یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ انسان پیدا ہی نہ ہوں۔

یہاں پھر یہ لوگ خدائی انتظام میں مداخلت بے جا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تمہاری احتیاطی تدبیروں سے کیا جنگ، وبائیں، امراض، سیلاب، زلزلے بند ہو جائیں گے؟ کیا تم نے خدا (یا بزعمِ خود "فطرت") سے کوئی ایسا معاہدہ کرلیا ہے کہ جب تم ضبطِ ولادت پر عمل شروع کر دو گے تو فرشتۂ موت برطرف کر دیا جائے گا؟ اگر ایسا نہیں ہے، اور یقیناً نہیں ہے تو بتاؤ کہ ضبطِ ولادت اور فرشتۂ موت کی دُہری کارگذاری کا تختۂ مشق بن کر نوعِ انسانی کا کیا حشر ہوگا؟ ایک طرف تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنی آبادیوں کو گھٹا رہے ہو۔ دوسری طرف زلزلے ہزاروں آدمیوں کو بیک وقت نذرِ اجل کرتے رہیں گے، سیلابوں میں

بستیوں کی بستیاں اُجڑتی رہیں گی، وبائیں آ آ کر آبادیوں پر جھاڑو پھیرتی رہیں گی۔ لڑائیوں میں تمہارے سائنٹفک آلات لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ اور موت کا فرشتہ فرداً فرداً بھی آدمیوں کی روحیں قبض کرتا رہے گا۔ کیا تم حساب لگا کر اتنا بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ جس خزانے میں آمد گھٹتی چلی جائے اور خرچ بدستور رہے وہ کب تک بھرپور رہے گا؟

اس سوال کو بھی جانے دو۔ کیا تمہارے پاس اپنی آبادیوں کے لئے "حدّ مناسب" مقرر کرنے کا کوئی معیار ہے؟ اگر بالفرض ہے، تو کیا تم اس معیار کے مطابق حسبِ ضرورت بچے پیدا کرنے اور صرف ضرورت سے زیادہ بچوں کی پیدایش روک دینے پر قادر ہو؟ جب عوام الناس میں خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہو جائے اور وہ اپنے شخصی حالات اور نفسانی رجحانات کی بنا پر بچوں کی ضرورت وعدم ضرورت کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں اور ضبط ولادت کے عملی طریقے اور وسائل بھی آسانی کے ساتھ ان کو بہم پہنچ جائیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ملکوں اور قوموں کی آبادی کو کسی مناسب حد تک ہی گھٹایا جائے اور اس حد سے زیادہ نہ گھٹنے دیا جائے؟ قیاس کی ضرورت نہیں۔ تجربہ شہادت دے رہا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی ایسی کوئی "حدِ مناسب" مقرر کرنے اور افراد کے عمل کو اس حد کے اندر محدود رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ پھر وہ کیا سامان ہے جس کو لے کر تم اُس خدائی تدبیر میں دخل دینے چلے ہو جس کے تحت وہ خود انسانی بستیوں کے لیے "حدِ مناسب" مقرر کرتا اور ایک اندازے کے ساتھ ان کو گھٹاتا بڑھاتا ہے؟

معاشی حیلہ | کہا جاتا ہے کہ محدود آمدنی رکھنے والے ماں باپ بچوں کی زیادہ تعداد کے لیے اچھی تعلیم و تربیت، عمدہ معاشرت، اور ایک بہتر آغازِ حیات

کے وسائل بہم پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ جب بچوں کی تعداد والدین کی حدِّ استطاعت سے بڑھ جاتی ہے یا مفلس والدین کے ہاں اولاد پیدا ہوجاتی ہے تو ان کا معیارِ حیات گرجاتا ہے۔ تعلیم خراب، تربیت ناقص، غذا، مکان، لباس، ہر چیز بدتر، اور آئندہ ترقی کے راستے مسدود۔ ایسے حالات میں بیکار آبادی بڑھانے سے بہتر ہے کہ ضبطِ ولادت کے ذریعہ سے بچوں کی تعداد کو اسی حد تک محدود رکھا جائے جس حد تک والدین کے وسائل ساتھ دے سکیں، اور ناموافق حالات میں افزایش نسل کا سلسلہ موقوف رہے۔ اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

یہ دلیل آج کل لوگوں کو بہت اپیل کر رہی ہے اور بظاہر بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بھی اتنی ہی کمزور ہے جتنی پہلی دونوں ہیں۔ اول تو "اچھی تعلیم و تربیت"، "عمدہ معاشرت" اور "بہتر آغاز"، ہی مبہم الفاظ ہیں جن کا کوئی واضح اور متعین مفہوم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے ذہن میں ان کا الگ مفہوم رکھتا ہے اور ان کے لیے ایسے معیار مقرر کرتا ہے۔ جو اس کے اپنے حالات اور وسائل و ذرائع کی صحیح تشخیص پر نہیں بلکہ اپنے سے بہتر لوگوں کے معیار پر پہنچنے کی حریصانہ خواہش پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔ ایسے غلط معیار پر جو شخص اپنی اولاد کے لیے "اچھی تعلیم و تربیت" اور "عمدہ معاشرت" اور "بہتر آغاز" کا خواہشمند ہوگا وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ اس کے ہاں ایک دو بچوں سے زیادہ نہ ہوں، بلکہ بعض حالات میں تو وہ سرے سے بے اولاد ہی رہنا پسند کرے گا کیونکہ لوگوں کی خواہشات کا دائرہ عموماً ان کے وسائل کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہوتا ہے اور جن امور کو وہ خواہشات کے حصول پر موقوف رکھتے ہیں وہ سرے سے ظہور ہی میں نہیں آتے۔ یہ محض نظریہ ہی نظریہ نہیں ہے۔

بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے۔ یورپ میں اس وقت لاکھوں جوڑے ایسے موجود ہیں جو محض اس لیئے بے اولاد رہنا پسند کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر اولاد کی تعلیم و تربیت اور عمدہ معاشرت اور بہتر آغاز کا معیار اتنا بلند ہے کہ وہ بالفعل اس تک پہنچنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے ۔

علاوہ بریں یہ دلیل اصولی حیثیت سے بھی غلط ہے ۔ قوموں کی ترقی کیلئے یہ بات مفید نہیں بلکہ سخت مضرت رساں ہے کہ ان کی نسلیں تمام تر راحت اور آسایش کے ماحول میں پرورش پائیں اور ان کو مصائب، مشکلات، ناداری، اور جدوجہد سے دوچار ہی نہ ہونا پڑے ۔ یہ چیز تو اُس سب سے بڑی درس گاہ کو بند کر دے گی جس میں انسان کی تعلیم و تربیت تمہارے مدرسوں اور کالجوں سے زیادہ بہتر طریقہ پر ہوتی ہے ۔ وہ درس گاہ زمانے کی درس گاہ ہے جس کو اللہ تعالٰے نے قائم کیا ہے تاکہ انسان کے صبر، استقامت، ہمت اور حوصلوں کی آزمایش کرے اور انہیں کو پاس کرے جو آزمایش میں پورے اُتریں :۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۔ (۲ : ۱۹)

یہ ایک بھٹی ہے جو ناقص کو خالص سے متمیّز کرتی ہے ۔ اور تپا تپا کر کھوٹ نکالتی ہے یہاں مصائب اس لیے ڈالے جاتے ہیں کہ ان کے مقابلے کی قوت پیدا ہو ۔ مشکلات اس لیے پیدا کی جاتی ہیں کہ انسان ان پر غالب آنے کی جدوجہد کرے سختیاں اس لیے عائد کی جاتی ہیں کہ آدمی کی کمزوریاں دور ہوں اور اس کی چھپی ہوئی قوتیں عمل کے میدان میں نمایاں ہوں ۔ جو لوگ اس درس گاہ سے

فارغ التحصیل ہوکر نکلتے ہیں وہی دنیا میں کچھ کرکے دکھاتے ہیں اور دنیا میں
آج تک جتنے بڑے بڑے کام کیے ہیں وہ اسی درس گاہ کے سند یافتوں نے
کیے ہیں۔ تم اس درس گاہ کو بند کرکے دنیا کو راحت کدے میں تبدیل کرنا چاہتے ہو
تاکہ تمہاری نسلیں عیش پسند، پست حوصلہ، کام چور، اور بزدل بن کر اٹھیں۔ تم
چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد آسایش کے گہوارے میں آنکھ کھولے، اونچے مدرسوں
اور شاندار اقامت خانوں میں رہ کر تعلیم حاصل کرے اور جوان ہوکر زندگی کے
میدان میں قدم رکھے تو اس طرح کہ اس کے پاس ایک "بہتر آغاز" کے لیے
کافی سرمایہ موجود ہو۔ تم امید رکھتے ہو کہ اس صورت سے وہ دنیا میں کامیاب
ہوں گے اور ترقی کے آسمانوں پر چمکیں گے۔ مگر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی
تعلیم و تربیت کے ساتھ تم صرف تیسرے درجہ کے حیوانات پیدا کرسکتے ہو یا
زیادہ سے زیادہ دوسرے درجہ کے۔ درجۂ اول کے انسان تمہاری نسلوں میں
کبھی نہ اٹھیں گے۔ یقین نہ آئے تو دنیا کی تاریخ اور اکابر رجال کے سوانح اٹھا کر
دیکھ لو۔ تم کو درجۂ اول کے جتنے آدمی ملیں گے ان میں سے کم از کم ۹۰ فی صدی
ایسے ہوں گے جو مفلس و نادار ماں باپ کے ہاں پیدا ہوئے۔ مصیبت کی آغوش
میں پرورش پاکر اٹھے۔ تمناؤں کے خون اور خواہشات کی قربانی کے ساتھ جوانی
بسر کی۔ زندگی کے سمندر میں بغیر کسی ساز و سامان کے پھینک دیے گئے۔
موجوں سے تیرنا سیکھا، تھپیڑوں سے بڑھنے کا سبق حاصل کیا۔ اور آخر کار ساحل
کامرانی پر اپنی برتری کا جھنڈا نصب کرہی کے چھوڑا۔

چند اور دلیلیں یہ تین بڑی دلیلیں تھیں۔ ان کے بعد تین چھوٹی دلیلیں اور

بھی ہیں جن کو ہم اختصار کے ساتھ بیان کر کے اختصار ہی کے ساتھ جواب بھی دیں گے :-

کہا جاتا ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعہ سے اچھی قسم کی نسلیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ جن کی تندرستی اچھی ہو، قُوٰے مضبوط ہوں، اور جن میں کام کرنے کی عمدہ صلاحیتیں ہوں۔ اس خیال کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ انسان کے ہاں جب کبھی ایک دو بچے ہوں گے، قوی و تندرست، ذہین اور طباع ہوں گے اور جب زیادہ بچے ہوں گے تو سب کے سب کمزور، بیمار، بیکار، اور کند ذہن ہوں گے۔ لیکن اس مفروضہ کی تائید میں نہ کوئی علمی دلیل ہے اور نہ باضابطہ مشاہدات و تجربات کے نتائج۔ محض ایک گمان ہی گمان ہے جس کے خلاف ہزاروں شہادتیں عالم واقعہ میں موجود ہیں۔ درحقیقت انسان کی پیدائش کے متعلق کوئی ضابطہ بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ چیز کلیتہً خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے :-

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (۳ : ۱)

قوی اور تندرست اور ذہین اولاد پیدا کرنا اور کمزور، مریض اور بلید الذہن اولاد نہ ہونے دینا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔

اسی سے قریب المأخذ یہ دلیل ہے کہ ضبط ولادت انسان کو ایسے بچوں کی بیکار پیدائش اور پرورش کی مشقت سے بچا دیتا ہے جن کی دنیا کو ضرورت نہیں ہے، جو کبھی کار آمد بننے والے نہیں ہیں، یا بلوغ سے پہلے ہی مر جانے والے ہیں۔ یہ خیال اس وقت صحیح ہوتا جب انسان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی

ذریعہ ہوتا کہ کونسا بچہ کن خصوصیات کا حامل ہوگا؟ لایق ہوگا یا نالایق؟ زندہ رہیگا یا مرجائیگا؟ اس کا وجود کارآمد ہوگا یا بیکار؟ جب یہ چیز انسانی نظر سے قطعاً پوشیدہ ہے تو محض رجماً بالغیب کوئی رائے قایم کرنا صریح حماقت ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدایش سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اس کے حسن وجمال میں بھی فرق آجاتا ہے۔ لیکن صفحات گذشتہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ضبط ولادت کے مصنوعی طریقے بھی صحت وجمال کے لیے بےضرر نہیں ہیں۔ ان سے بھی صحت کو اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے جتنا کثرت اولاد سے پیدا ہوسکتا ہے۔ طبی حیثیت سے کوئی ایسا قاعدۂ عام مقرر نہیں کیا جاسکتا کہ عورت کتنے بچوں کی ولادت کا بار اُٹھا سکتی ہے۔ یہ بات ہر عورت کے شخصی حالات پر منحصر ہے۔ اگر ایک طبیب کسی عورت کے خاص حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ رائے قایم کرے کہ حمل اور وضع حمل کی تکلیف اس کی زندگی کے لیے خطرناک ہوگی تو ایسی حالت میں بلاشبہ طبیب کے مشورے سے ضبط ولادت کا کوئی مناسب طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر ماں کی جان بچانے کے لیے ضروری ہو تو اسقاط حمل کرانا بھی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن صحت کو محض ایک بہانہ بنا کر ضبط ولادت کو ایک عام طرز بنا لینا اور دائماً اس پر عمل کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

اصول اسلام سے کلّی منافات

حامیانِ ضبط ولادت کے مذکورہ بالا دلائل پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تحریک دراصل دہریت و الحاد کے شجر خبیث کی پیداوار ہے۔ جن لوگوں کے دماغوں سے خدا کا تصور نکل چکا ہے اور جو دنیا کے معاملات میں اس نقطۂ نظر سے غور و فکر اور تدبیر و تصرف کرنے

ہیں کہ خدا سرے سے موجود نہیں ہے یا اگر ہے تو محض ایک معطل ہستی ہے اور انسان آپ ہی اپنی قسمت کا بنانے والا اور اپنے تمام معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے وُہی اس تحریک کو وجود میں لائے ہیں اور انہی کے دماغوں کو اس تحریک کے دلائل اپیل کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں رہتا کہ یہ تحریک اصلاً اسلام کے خلاف ہے۔ اس کے اصُول کلیتہً اصول اسلام کی ضد ہیں اور اسلام کا عین مقصد ہی اُس ذہنیت کو مٹانا ہے۔ جس سے ضبط ولادت جیسی تحریکات وجود میں آتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا اِزالہ

مسلمانوں میں جو حضرات ضبط ولادت کے مؤید ہیں ان کو اپنی تائید میں قرآن سے ایک لفظ بھی نہیں مل سکتا اس لیے وہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بعض ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عزل کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن حدیث سے استدلال کرنے میں چند امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جنکو نظرانداز کرکے کسی فقہی مسئلہ کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

اوّلاً۔ مسئلہ متعلقہ کے باب میں تمام احادیث کا استقصاء کیا جائے۔

ثانیاً۔ ارشاد نبوی ص کے موقع و محل کو پیش نظر رکھا جائے۔

ثالثاً۔ اُس وقت عرب کے جو حالات تھے ان کو ملحوظ رکھا جائے۔

لہٰذا ہم ان تینوں امور کو ملحوظ رکھکر ان احادیث پر نظر ڈالیں گے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ عرب جاہلیت میں برتھ کنٹرول کے لیے قتل کا طریقہ رائج تھا جس کے دو وجوہ تھے۔ ایک معاشی حالات کی خرابی جن کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے تاکہ ان کے رزق میں کوئی شریک پیدا نہ ہو۔ دوسرے غیرت کا حد سے بڑھا ہوا جذبہ جو لڑکیوں کے قتل کا محرک ہوتا تھا۔ اسلام نے آکر اس کو سختی کے ساتھ منع کیا اور اس باب میں عربوں کی ذہنیت ہی بدل دی۔ اس کے بعد مسلمانوں کا رجحان عزل (Coitus interruptus) یعنی مباشرت بلا انزال فی الفرج کی طرف راغب ہوا۔ لیکن یہ رجحان عام نہ تھا، نہ برتھ کنٹرول کی کوئی

تحریک جاری ہوئی تھی نہ اس کو قومی پالیسی بنانا مقصود تھا نہ اس کے محرک وہ عہد جاہلیت کے جذبات وخیالات تھے جن کی وجہ سے قتل اولاد کے ظالمانہ طریقہ پر عمل کیا جاتا تھا۔ بلکہ دراصل اس کے تین وجوہ تھے جو احادیث کے تتبع سے ہم کو معلوم ہوتے ہیں:۔

ایک یہ خیال کہ لونڈی سے اولاد نہ ہو

دوسرے یہ کہ لونڈی کے اُمّ ولد ہونے سے یہ خوف تھا کہ اس کو پھر ہمیشہ اپنے پاس رکھنا ہوگا۔

تیسرے یہ کہ زمانۂ رضاعت میں حمل ٹھیر جانے سے شیرخوار بچہ کو نقصان پہنچنے کا خوف تھا۔

ان وجوہ سے مخصوص حالات میں بعض صحابہ نے عزل کی ضرورت محسوس کی اور یہ دیکھ کر کہ اس فعل کے عدم جواز کا کوئی صریح حکم کتاب وسنت میں نہیں آیا ہے اِس پر عمل کیا۔ مثلاً ابن عباس، سعد بن ابی وقاص اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔ انہی میں سے ایک حضرت جابرؓ بھی ہیں جنہوں نے شارع کے سکوت کو رضا پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ ان سے جو احادیث مروی ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

کُنّا نعزل علی عھد رسول اللہ صلعم۔	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کرتے تھے۔
کُنّا نعزل والقرآن ینزل	ہم عزل کرتے تھے اس حال میں کہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔
کُنّا نعزل علی عھد رسول اللہ صلعم والقرآن ینزل	ہم عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عزل کرتے تھے جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ اور ان کے ہمخیال صحابہؓ نے

عزل کے باب میں کوئی صریح حکم نہ ہونے کی وجہ سے فائدہ اُٹھایا - ایک اور حدیث جو انہی صحابی سے امام مسلم نے نقل کی ہے یہ ہے کہ ہم عہد رسالت میں عزل کرتے تھے اسکی خبر حضور کو پہنچی اور آپ نے ہم کو منع نہ فرمایا" اس حدیث میں ابہام ہے - صاف معلوم نہیں ہوتا کہ عزل کے متعلق کس صورت سے استفتاء کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کیا فرمایا - اس کی تفصیل دوسری احادیث میں بیان ہوئی ہے۔

ابو سعید خدری رضہ سے مروی ہے کہ ہمارے ہاتھ لونڈیاں آئیں اور ہم نے عزل کیا - پھر اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا -

کیا تم ایسا کرتے ہو ؟

کیا تم ایسا کرتے ہو ؟؟

کیا تم ایسا کرتے ہو ؟؟؟

قیامت تک جو بچے پیدا ہونے ہیں وہ تو ہو کر ہی رہیں گے" (بخاری) -

---

امام مالک نے مؤطا میں انہی ابو سعید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق میں ہمارے ہاتھ لونڈیاں آئیں - اہل وعیال سے دُوری ہم پر شاق گذر رہی تھی - ہم نے چاہا کہ ان عورتوں سے استمتاع کریں مگر اس کے ساتھ ہماری خواہش یہ بھی تھی کہ ان کو فروخت کر دیں - اس لیے ہم نے خیال کیا کہ ان سے عزل کرنا چاہیے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو - ہم نے حضور سے سوال کیا - آپ نے فرمایا -

مَا عَلَیْکُمْ اَن لا تفعلوا - ما من نسمۃ کائنۃ الا وھی کائنۃ - کیا بگڑ جائے گا اگر تم ایسا نہ کرو - قیامت تک جو بچے پیدا ہونیوالے ہیں وہ تو ہو کر ہی رہیں گے

مسلم کی حدیث ہے کہ جب عزل کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

لاعلیکم ان لا تفعلوا ذٰلکم۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو کچھ نقصان نہ ہو جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

ولم یفعل ذلك احدکم۔ تم میں سے کوئی یہ فعل کیوں کرے؟

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک لونڈی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس سے اولاد ہو۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

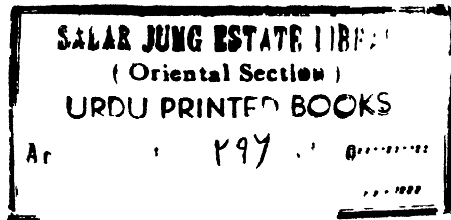
اعزل عنها ان شئت فانه سیأتیها ما قدر لها۔ تو چاہے تو عزل کر لے مگر جو اولاد اس کی تقدیر میں لکھی ہے وہ تو ہو کر رہے گی۔

ان کے علاوہ حضرت ابوسعید سے ترمذی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ صحابہ میں سے جو اہل علم تھے وہ عموماً عزل کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مؤطا میں امام مالک نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو عزل کو ناپسند کرتے تھے:۔

ان سب روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کی اجازت نہ دی تھی۔ بلکہ آپؐ اس کو عبث اور ناپسندیدہ فعل سمجھتے تھے اور آپؐ کے جن اصحاب کو تفقہ فی الدین کا مرتبہ حاصل تھا وہ بھی اس کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ لیکن چونکہ عزل کی کوئی عام تحریک قوم میں جاری نہیں ہوئی تھی اور اس کو ایک عام قومی طرز عمل نہیں بنایا جا رہا تھا بلکہ محض چند افراد اپنی مجبوریوں اور ضرورتوں کی بنا پر اس فعل کا ارتکاب کرتے تھے اس لیے آپؐ نے اس کو صاف

طور پر ناجائز نہ ٹھیرایا۔ اگر اس وقت برتھ کنٹرول کی کوئی عام تحریک شروع ہوتی تو یقیناً حضورؐ نہایت سختی کے ساتھ اس کو روکتے۔

عزل پر ضبط ولادت کے دوسرے طریقوں کو بھی قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان طریقوں کو شارع نے صرف اس وجہ سے حرام نہیں کیا کہ بعض حالات میں انسان فی الواقع ان کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ مثلاً حمل ٹھیرنے سے عورت کی جان کا خطرے میں پڑ جانا یا اس کی صحت کو غیر معمولی نقصان پہنچنے کا خوف یا زمانۂ رضاعت میں شیر خوار بچے کو مضرت پہنچنے کا اندیشہ یا اور ایسے ہی دوسرے وجوہ۔ ان حالات میں اگر آدمی طبی مشورے سے ضبط ولادت کا کوئی طریقہ اختیار کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ لیکن بلا ضرورت اس کو ایک عام طرزِ عمل بنانا احکامِ اسلام کے قطعاً خلاف ہے اور وہ تمام خیالات جن کی بنا پر ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے، اصولِ اسلام کے بالکل منافی ہے۔



ضروری اعلان!

کاغذ کی انتہائی گرانی بلکہ نایابی نے ہمیں اپنی مطبوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جو کاغذ اب ہمیں مل رہا ہے وہ قبل جنگ کی قیمتوں سے چھ گنا زیادہ قیمتی ہے۔ اس لیے سابق قیمتوں پر کتابیں فروخت کرنا محال ہے۔ تازہ فہرست کتب ترمیم شدہ قیمتوں کے ساتھ حسب ذیل ہے: (محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا)

۱۔ رسالہ دینیات۔ بیجلد عہ۔ مجلد عمہ
۲۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول۔ بیجلد عہ
۳۔ " " " حصہ دوم۔ " عا
۴۔ " " " حصہ سوم۔ " عمہ
۵۔ مسئلہ قومیت۔ بیجلد عمہ
۶۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش ہر سہ حصص مع مسئلہ قومیت۔ مجلد ۶/۸
۷۔ تنقیحات بیجلد عا۔ مجلد ۸/عا
۸۔ تفہیمات۔ بیجلد ۳ے۔ مجلد ۸/۳ے۔
۹۔ خطبات۔ بیجلد عا۔ مجلد ۸/عا
۱۰۔ تجدید و احیائے دین۔ بیجلد ۱۴/
۱۱۔ پردہ۔ بیجلد عا مجلد ۸/عا
۱۲۔ سیرت سید احمد شہید۔ بے جلد عا۔

۱۳۔ سلامتی کا راستہ۔ ۵/
۱۴۔ اسلام اور جاہلیت۔ ۵/
۱۵۔ نشانِ راہ۔ ۴/
۱۶۔ اسلام کا نظریہ سیاسی۔ ۵/
۱۷۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟ ۵/
۱۸۔ ایک اہم استفتاء۔ ۲/
۱۹۔ نیا نظام تعلیم۔ ۵/
۲۰۔ انگریزی ترجمہ رسالہ دینیات ۸/عہ
۲۱۔ " " نظریہ سیاسی۔ ۹/
۲۲۔ " " اسلامی حکومت۔ ۹/
۲۳۔ نیشنلزم اینڈ انڈیا۔ ۹/
۲۴۔ دستور جماعت اسلامی۔ ۲/
۲۵۔ جماعت اسلامی کے اجتماع اول کی روداد۔ ۴/

منیجر ترجمان القرآن۔ دارالاسلام۔ پٹھان کوٹ

ادارۂ ترجمان القرآن کی جدید مطبوعات

حقوق الزوجین تالیف ابوالاعلیٰ مودودی۔ قیمت

اس کتاب میں اسلامی نظام معاشرت کے اہم ترین باب یعنی قانون ازدواج کی تشریح کی گئی ہے اور تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے شوہر اور بیوی کے درمیان حقوق و فرائض کا توازن کس طرح قائم کیا ہے اور ناموافقت کی صورت میں اصلاح کی کیا صورتیں تجویز کی ہیں نیز یورپ کے جدید ترین قوانین نکاح و طلاق سے اسلام کے قانون کا موازنہ کیا گیا ہے۔

اسلام اور ضبط ولادت تالیف ابوالاعلیٰ مودودی۔ قیمت ۱۲ر

اس میں ضبط ولادت (برتھ کنٹرول) کی تحریک پر تنقید کی گئی ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کا عنوان ضبط ولادت ہے لیکن ضمناً اس میں تمدن اور فلسفۂ تمدن کے اہم مسائل پر ایسے اشارات آگئے ہیں جو مصنف کی کتاب "پردہ" اور "حقوق الزوجین" کے ساتھ ملکر اسلامی اصول تمدن کی ایک صاف تصویر ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

مسئلہ جبر و قدر - تالیف ابوالاعلیٰ مودودی - قیمت ۸ر

اس کتاب میں انسان کی مجبوری و مختاری کے اس مسئلہ کو جو فلسفہ، اخلاق، اجتماعیات اور علوم دینی کے مطالعہ میں قدم قدم پر سوچنے والے انسان کو کھٹکتا ہے، قرآن مجید کی مدد سے اس طرح صاف کیا گیا ہے کہ ذہن کی تمام الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل - تالیف ابوالاعلیٰ مودودی۔ قیمت ۵ر

اس مختصر پمفلٹ میں بتایا گیا ہے کہ نوع انسانی کا اصل معاشی مسئلہ کیا ہے اور اسلام نے اپنی اخلاقی تعلیم، تمدنی نظام، اور قانونی احکام کے ذریعہ سے اس کو کس طرح حل کیا ہے۔

ہیگل، مارکس اور اسلامی نظام - تالیف محمد مظہر الدین صدیقی۔ قیمت ۱۲ر

اس کتاب میں اشتراکیت کے بنیادی فلسفے کی تشریح اور اس پر گہری علمی تنقید کی گئی ہے، اور اس کے بالمقابل اسلام کے نظام معاشی و عمرانی کو پیش کیا گیا ہے۔

منیجر ترجمان القرآن - دار الاسلام پٹھان کوٹ

الجہاد فی الاسلام

ابو الاعلیٰ مودودی

[illegible] دنیا [illegible] اسلام پر جو بہتان تراشے ہیں ان میں سے [illegible] جہاد [illegible] اور اپنے پیروؤں کو خونریزی کی تعلیم [illegible] اس وقت پیش نظر ہے [illegible] ایک بھیانک شکل [illegible] تھا۔ مگر عجیب بات یہ ہے [illegible] آفتاب [illegible] غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آیا [illegible] جنگ کھا چکی تھی مگر خود اس کے [illegible] دنیا کی کمزور قوموں کو اس طرح [illegible] اور [illegible] اگر دنیا میں عقل ہوتی تو [illegible] سوال [illegible] دشمن ہو رہا انہوں نے خود [illegible] زمین [illegible] کو [illegible] کر دیا ہو اور جو خود [illegible] کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر [illegible] الزام عائد کریں جس کی [illegible] خود ان [illegible]

لیکن انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ جب میدان میں مغلوب ہوتا ہے تو دماغ میں بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ [illegible] شکست کھاتا ہے اس کے قلم کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور [illegible] جس دنیا پر [illegible] تلوار کا غلبہ رہتا ہے جو [illegible] قلم سے پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں بھی دنیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے میں یورپ کو پوری کامیابی ہوئی اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اسلامی جہاد کے متعلق اس کے پیش کردہ نظریہ کو بلا ادنیٰ تحقیق و تفحص اور بلا ادنیٰ غور و خوض اس طرح قبول کر لیا کہ آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا گیا ہوگا۔

اگر آپ اسلامی جہاد کی حقیقت اور اس کے متعلقہ مسائل سے کما حقہ واقفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو الجہاد فی الاسلام کا مطالعہ فرمائیے۔ اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر شروع اسلام سے آج تک [illegible] کی ایک ہی کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ ضخامت (۵۰۰) صفحات قیمت بلا جلد چار روپے۔ مجلد [illegible]

دفتر رسالہ ترجمان القرآن۔ ادارہ دارالاسلام پٹھانکوٹ